قسط اول

مذہب اور عقل

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولہ الحمد

تمہید

جبکہ دنیا میں صدہا مذہب چل رہے ہیں اور ہر ایک اپنے سوا اوروں کو گمراہ بتاتا ہے، تو ایک جویائے حقیقت کا فرض ہے کہ وہ ان سب کو عقل سے پرکھے اور جہاں تک عرصہ حیات میں گنجائش پائے، برابر قدم آگے بڑھاتا چلا جائے یہاں تک کہ کسی ایک کو پورے طور پر صحیح سمجھ لے۔

راستوں کی کثرت سے گھبرا کر تحقیق سے جی چرانا اور ناچار سب کو خیرباد کہہ دینا دماغی کاہلی ہے جس کا نتیجہ ہرگز اطمینان بخش نہیں ہوسکتا۔

نظام ہستی میں دانائی کارفرما ہے، جس کے مظاہرات کو آنکھ دیکھ رہی ہے۔ عقل سمجھ رہی ہے، دل مان رہا ہے۔

اس دانائی کا مرکز ایک ہستی ضرور ہے جس کا اس تمام نظام کے ساتھ یکساں تعلق ہے۔ ذہن اس کا اقرار کرلے، یہ ذہن کی حقیقت شناسی ہے مگر وہ ذہنی تخلیق کا نتیجہ نہیں ہے۔ تخلیق کی ضرورت تو اس کے لئے ہوتی ہے جس کی کوئی اصل حقیقت نہ ہو مگر اس حقیقت کا جلوہ تو خود ذہن کو ہر چیز میں دکھائی دیتا ہے۔ یقیناً وہ ''حقیقت'' ثابت ہے جو ذہن اور اس کی تخلیق سے بالاتر ہے۔

صنّاعیوں میں قدرت کا ظہور ہے، اس لئے قادر صنّاع کا پتہ چلتا ہے۔ وہ صناعیوں سے علٰحدہ ضرور ہے کیونکہ صنّاعیاں تو بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں مگر وہ برابر قائم ہے۔ جو اس کے موجود ہونے کا قائل ہوگا اسے وجود کا مقر ہونا پڑے گا۔ مگر یہ وجود اس کی ذات سے علٰحدہ نہیں ہے۔ نہ اس کی قدرت ذات سے جدا ہے۔

شرع محمدی اور قرآنی ہدایتوں کے پیرو ''مسلمان'' کہلاتے ہیں۔ یہ کلام اللہ اور رسول اللہؐ کو منجانب اللہ سمجھتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ کلام جسمانی طور پر ذات الٰہی سے صادر ہوتا ہے یا وہ کسی خاص مقام پر بیٹھ کر رسول بھیجتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ خدا جسم سے بری اور مقام سے بے نیاز ہے۔ مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ اس کلام کا خالق ہے یعنی اپنے خاص ارادہ سے کسی مخلوق کی زبان پر اس کو جاری کراتا ہے اور کسی خاص شخص کو اپنے منشا کے موافق احکام پہنچانے اور خلق کی رہنمائی کے لئے مقرر کرتا ہے۔

امامیہ فرقہ میں بارہویں امامؑ کی امامت اور غیبت کا ماننا ضرور ہے۔

گیارہ امامؑ سب مختلف پردوں میں امامت یعنی ہدایت خلق کا کام انجام دیتے رہے ویسے ہی بارہویں امامؑ بھی انجام دیتے ہیں۔

جن عقلی پتوں پر گیارہ اماموںؑ کی امامت کو تسلیم کیا انہی سے بارہویں کی امامت اور حیات کا ثبوت ہے۔

کوئی شئے عدم سے وجود میں آکر بالکل فنا نہیں ہوتی۔ کسی نہ کسی صورت سے باقی رہتی ہے۔ انسان کے لئے بھی کوئی مستقبل ہے جس پر جزا و سزا کا انحصار ہے۔ یہ عقل کا فیصلہ ہے۔ پہلے کی

باتیں خود یاد نہ ہوں نہ سہی، مگر معتبر بتانے والوں کی اطلاع دہی کو غلط کیسے کہا جائے، جب کہ اپنے آپ کو کچھ یاد نہیں اور کہنے والوں کو عقل سچائی کی سند دے چکی۔

یوں ہی آئندہ کی باتیں، کچھ تو عقل خود سمجھتی ہے اور کچھ کے لئے بتانے والوں کے چہرے دیکھتی ہے۔ جو کچھ وہ بتلاتے ہیں اس پر سر جھکاتی ہے کیونکہ اس کے خلاف وہ خود کوئی فیصلہ نہیں رکھتی۔

عقیدوں پر عقل کا پہرا ہے۔ بے شک مراسم کو حیثیت کا پابند ہونا چاہئے اسی بنا پر ''مذہب اور عقل'' کو کتابی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ عقل و مذہب کی جدائی کا جوڑ ڈھنڈھورا پیٹا جاتا ہے اس کی حقیقت کھلے، آئینہ سے جھائیاں دور ہوجائیں اور حقیقت کا چہرہ صاف نظر آنے لگے۔

علی نقی النقوی

۱۶-ماہ صیام ۱۳۶۰ھ

***

تعارف

مذہب

ایک روشن حقیقت ہے جس کا جلوہ ''عقل'' کے آئینہ میں نظر آتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ آئینہ دھندلا نہ ہو۔ ورنہ اپنی کدورت سے چہرہ کو داغدار بنائے گا۔ عیب اس کا ہوگا۔ حقیقت پر حرف آئے گا۔ منشاء یہ ہے کہ مذہب پر صحیح عقل کی روشنی میں تبصرہ کیا جائے اور پاکیزہ اسلام غلط توہمات اور باطل اعتراضات سے بری ہوجائے۔ بالکل سچا اور بے عیب نظر آئے اور عقل و مذہب کے تفرقہ کا خیال برطرف ہو۔ کیونکہ عقل و مذہب میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مذہب عقل کو آواز دیتا ہے اور عقل مذہب کو ثابت کرتی ہے۔

مگر عقل اور وہم میں مدتوں سے کاوش چلی آتی ہے۔ ''وہم بھیس بدل بدل کر عقل کے راستے سے ہٹاتا رہتا ہے۔ پہلے بھی کد تھی، اب بھی ضد ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے توہمات جہالت کے دور کی پیداوار تھے اس لئے ان کا پردہ جلدی چاک ہوجاتا تھا۔ اب ''نئی روشنی'' کے علمی پندار کا نتیجہ ہیں جب کہ سائنس بڑی ترقی کرگیا ہے اس لئے ملمّع بہت اچھا ہونے لگا۔ ایمی ٹیشن ایسا تیار ہوتا ہے کہ اصل اور نقل میں تمیز دشوار ہوتی ہے۔

کوٹو جم اصلی گھی کو مات کررہا ہے۔ اسی بھاؤ بکتا ہے۔ اب کہیں اصلی گھی ہے بھی تو اس کی قدر و قیمت رائگاں۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

حکومتیں زیادہ تر عقل و مذہب کے ہمیشہ سے خلاف رہیں کیونکہ یہ دونوں حکومتوں کے ظلم و استبداد اور من مانی کاروائیوں میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں مگر مذہب کو اپنی طاقت پر ہمیشہ بھروسا رہا اسے جتنا مٹایا گیا اتنا نمایاں ہوتا رہا۔ یہ اس کی فطری سچائی کا کرشمہ ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبائیں گے

عقل ہر چند جھوٹ مبالغہ کی گنجائش مطلق نہیں رکھتی مگر وہم اکثر عقل کا سوانگ بھر لیتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو عقلائے زمانہ عقلی باتوں میں مختلف نہ ہوتے اور آپس میں کبھی دست و گریباں نہ ہوتے۔

بدیں وجہ خدا، رسول، کتاب، روح، عقائد اور مراسم میں مذہب اور عقل کے سچے فیصلے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ توہمات کو دخل در معقولات کا موقع نہ ملے۔

بے شک رواسم جو اکثر آس پاس کی قوموں کی دیکھا دیکھی رواج پاچکے ہیں وہ آج فضا میں بدنما، ترقیوں کو مانع، مذہب کو نقصان رساں، عقل کے رہزن، حیثیت کے دشمن ہیں۔ ان کو بدلنا ضروری ہے۔

یعنی عقائد کے بارے میں غلط توہمات کا دفعیہ، نقصان رساں مراسم میں ترمیم درکار ہے۔

اس لئے مراسم کی حقیقت اور عقیدوں کی غلط تعبیروں کے

عقارے کھولے ہیں۔ جو ''اصلاح'' کے پردہ میں مفسدہ پردازی کا توڑ، ہوسناک معترضین کے چیلنج کا دفعیہ، ملمع کارانشاء پردازوں کے نوٹس کا جواب، دعویداران فہم سے تبادلۂ خیال کا الٹی میٹم ہیں۔

موجودہ صناعیوں کے دور میں تخیّل کی فیکٹری میں پرانے اور نئے سبھی قسم کے شبہات ڈھلتے ہیں۔ مصلحان قوم، صاحبان فہم، اہل نظر، اہل قلم کا یہ فرض ہے کہ وہ ان شبہات کی حقیقت کو ظاہر کریں۔

عقیدوں میں مداخلت، معاشرت میں تغیر، رواج میں تبدل، دستور میں دست اندازی کبھی تو حقیقت پروری کی بنیاد پر ضروری اور مناسب ہوتی ہے اور کبھی صرف ''فیشن'' کے لحاظ سے اس کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ تمدن کا فلسفہ اور خود آرائی کا آئینہ نہیں بلکہ خود بینی اور خودنمائی کا آئینہ ہے جو عقل اور استدلال کی چٹان پر گر کر پاش پاش ہوتا ہے۔ دل کہتا ہے:

از قضا آئینۂ چینی شکست

اور دماغ خوش ہوکر آواز دیتا ہے

خوب شد! اسباب خود بینی شکست

جدت پرستوں کی مکدر کی ہوئی ہوا سے جو سات سمندر پار سے ہیضہ اور طاعون کی طرح آئی ہے اور پھیل گئی ہے، فیشن کی وبا عام ہے مرد مونچھیں منڈاتے ہیں اور عورتیں سر کے بال ترشواتی ہیں۔ غرض فطرت سے جنگ کا دور دورہ ہے۔ روس میں خدا کو سلطنت سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بھی اینٹی گاڈ سوسائٹی بنی ہے۔ اس دباؤ کے خلاف انسانی تمدن کی صحت کو قائم رکھنا آسان نہیں مشکل کام ہے۔ پھر بھی یہ اطمینان ہے کہ جو بھی ہو عارضی بات ہے، آخر طبیعت غالب آئے گی اور مرض کے جراثیم ختم ہوں گے۔

وہ عقائد جن کو عقل کی تائید حاصل ہے جو فطرت کی تحریک سے خون میں سرایت کئے ہوئے رگ وپے میں پیوست، دل میں گھر اور دماغ میں خانہ بنا چکے ہیں آخر اپنی طاقت دکھلائیں گے اور غیر فطری شبہات وتوہمات کی کدورت کو دور کرکے ذہن کے آئینہ کو صاف کر دیں گے۔

بے شک وہ رسمیں جو عقلی فیصلوں کے خلاف صرف بربنائے رواج قائم ہوگئی ہیں، ان کو بدلنا، رواج کو توڑنا اور عادت کو چھوڑنا ضرور ہے۔

اس انقلاب کے لئے ہر ایک کو تیار ہونا چاہئے اور اس کی کوشش کرنا چاہئے۔ ہاں اپنا عرصۂ حیات، خوشگوار بنانے کے لئے ان رسموں کے لحاظ سے اصلاح معاشرت کی ضرورت ہے۔ بے جا پابندیوں میں وقت، مراسم میں حیثیت ضائع کرنے کا موقع نہیں ہے۔

اس لئے عقیدت کی اصلی حقیقت کو پیش اور رسموں کے نقائص کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اصحاب فہم کا اعتراف، بوالہوس معترضین کا عاجلانہ اضطراب توقع دلاتا ہے کہ شبہات کی سمیت کے لئے یہ تریاق ضرور اثر کرے گا۔ معترضین کی زبانیں بند ہوں گی اور مذہب کے خلاف صدائیں خاموش ہوجائیں گی۔ دوسری طرف رسوم بیجا کی اصلاح کا چرچا بڑھتا رہے گا اور کچھ دن میں یہ خیالات فضا میں گھومتے، ہوا میں گونجتے نظر آئیں گے اور صدہا اصلاح پسند ہستیاں ہمنوا ہوجائیں گی۔

عقیدہ

عقل کی کسوٹی پر کس کے، دماغ سے خوب اچھی طرح ٹھونک بجا اور پرکھ کے جس خیال کو ذہن مانے اور دل قبول کرے وہ سچا ''عقیدہ'' ہے۔

مذہب حق عقائد میں کہنے سننے اور تقلید کرنے یعنی بے سوچے سمجھے دوسرے کی بات مان لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ منقولات کا درجہ معقولات کے بعد ہے منقولات وہ مانے جاتے ہیں جن کے ماننے پر عقل خود مجبور کرے اس لئے وہ منقولات بھی معقولات سے الگ نہیں۔ منقولات قدیمہ اور مسلمات سابقہ میں عقل کو تحقیق کا حق ہے اور تخلیق کی آخری منزل یقین ہے۔ عقیدہ بھی اسی کے ماتحت ہے اسی لئے مذہب تحقیق کو ضروری

قرار دیتا ہے اور عقل کو پکار پکار کر متوجہ کرتا ہے۔

مگر یہ جسے تم اکثر ''تحقیق'' کا لقب دیتے ہو۔ وہم، وسوسہ اور خیال سے ساز رکھتا ہے۔ اس سے ضرور ہوشیار چلنا چاہئے۔

مذھب

ٹھوس حقیقتوں کا مجموعہ جن کی سچائی پر عقل نے گواہی دی۔ اور دنیا کی تمدنی اصلاح کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے، وہی سچا مذہب ہے۔

یوں تو دعویدار بہت ہیں جنگل میں بالو چمک کر اکثر پیاسوں کو پانی کا دھوکہ دیتی ہے مگر سانچ کو آنچ کیا۔ کھوٹا کھرا چلن میں کھل ہی جاتا ہے۔

بے شک سچے مذہب میں معاشرت کے اصول، تمدن کے قاعدے، نیکی کی ہدایت، بدی سے ممانعت ہے اور جبروتی قوت بھی ساتھ ہے۔ جزا، سزا، قہر، غضب، رحم وعطا ثابت حقیقتیں ہیں، جن کی اہمیت کے سامنے عقل سرنگوں ہے۔

سچا مذہب عقل والوں کو آواز دیتا ہے اور جو باتیں عقل سے ماننے کی ہیں ان میں عقل سے کام لینے کی ہدایت کرتا ہے تاکہ سرکش انسان جذبات کی پیروی نہ کرے اور کمزور اور کاہل عقلیں اپنے باپ دادا کے طور طریقہ، ماحول کے تقاضے ہم چشموں کے بہلانے پھسلانے سے متاثر ہو کر سیدھے راستے سے نہ ہٹیں ''حقیقت'' کسی کے ذہن کی پیداوار نہیں ہوتی، اس لئے سچا مذہب کسی کی جودت طبع کا نتیجہ نہیں۔ بے شک اس تک پہنچنا اور پہنچ کر اس پر برقرار رہنا انسان کی عقلی بلندی کی دلیل ہے۔

جھوٹے مذہب ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا کو بربادی کی طرف لے جانے والے، معاشرت کے تباہ کرنے والے، تمدن کے جھوٹے دعویدار، تہذیب کے بدترین دشمن، بدی کے محرک اور فتنہ انگیزی کے باعث ہوں۔ لیکن سچا مذہب وہی ہے جو عالم میں امن وسکون کا علمبردار، معاشرے کا بہتر رہبر، تمدن کا سچا مشیر، تہذیب کا اچھا معلم، طبیعت کی خودروی، بدی کی روک تھام، ممنوعات سے باز رکھنے کو زبردست اتالیق ہے۔ فتنہ انگیزی سے بچنے بچانے کو نگہبان، امن وامان کا محافظ، جرائم کا سد راہ، فطرت کی بہترین اصلاح ہے۔

انسان کی فطرت میں دونوں پہلو ہیں۔ حیوانیت وجہالت اور عقل ومعرفت، مذہب کا کام ہے دوسرے پہلو کو قوت پہنچا کر پہلے کو مغلوب بنانا اور اس کے استعمال میں توازن اور اعتدال قائم کرتا۔ فطرت کے جوش اور جذبات کو فطرت کی دی ہوئی عقل سے دباتا اور انسان کو روکتا تھامتا رہتا ہے۔ جذبات کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں قوت امتیاز کا چراغ دکھاتا۔ اور اچھا برا راستہ بتاتا ہے خطرے اور کجروی سے باز رکھتا ہے۔

طبیعت انسانی ایک سادہ کاغذ ہے۔ جیسا کہ نقش بناؤ ویسا ابھرے، جوانی کی اودھم، خواہشوں کی شورش، نفس کی غداری، جس کو بدی کہا جاتا ہے اس کی صلاحیت بھی فطری ہے اور شرم وحیا ونیکی اور پارسائی، تعلیم کی قبولیت اور ادب آموزی کی قدرت بھی فطری ہے۔ بے شک پہلی طاقت کے محرکات چونکہ مادی ہوتے ہیں، انسان کے آس پاس، سامنے موجود رہتے ہیں اس لئے اکثر ان کی طرف میلان جلدی ہو جاتا ہے۔ پھر بھی جن کی عقل کامل اور شعور طاقتور ہوتا ہے۔ وہ ان تمام محرکات کے خلاف نیکی کی طرف خود سے مائل ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگ جن کی عقل کمزور اور کاہل ہے وہ نیکی کی جانب مائل کرائے جاتے ہیں اس نیک توفیق کی عقل انجام بیں پر صد ہزار آفریں۔ جس نے مذہب کی باتوں کو سمجھا اور دوسروں کو بتلایا اور حیوانوں کو انسان بنایا۔

مذہب نہ ہو تو حیوانیت پھر سے عود کر آئے۔ شہوانی خواہشوں کا غلبہ ہو۔ انسان حرص وہوس کی وجہ سے اعتدال قائم نہیں رکھ سکتا اس لئے مذہب کا دباؤ اس کے لئے بہترین طریقہ ہے۔

فطرت نے درد دکھ کی بے چینیاں، بے بسی کا عالم، سکرات کا منظر، نزع کی سختیاں، موت کا سماں آنکھ سے دکھا دیا، مذہب نے مستقبل کے خطرہ، آخرت کی دہشت، باز پرس کے

خوف، بدلے کے اندیشے پر عقل کو توجہ دلائی۔

عقل نے غور کیا، سمجھا اور صحیح مانا اور نگاہ دور بیں سے ان نتائج کو معلوم کر لیا۔

اصلاح کے لئے لامذہب بھی کہتے ہیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے اور بے شمار اصلاح پسندوں نے انجام سوچ کر یہ رویہ اچھا سمجھا ہے۔ تو کبھی مذہب کی ان تنبیہوں کو صرف ''دھمکی'' بتا کر اور ان نتیجوں کو ''نامعلوم'' کہہ کر ان کی وقعت نہ گھٹائیں۔ نہیں تو ایک طرف حقیقت کا انکار ہوگا دوسری طرف اصلاح کے مقصد کو ٹھیس لگے گی جس کی ضرورت کا ان کو بھی اقرار ہے۔

عقل

سوچنے سمجھنے والی، دیکھی باتوں پر غور کر کے ان دیکھی باتوں پر حکم لگانے والی بڑے بڑے کلیے بنانے والی اور ان کلیوں پر نتیجے مرتب کرنے والی قوت کا نام عقل ہے۔

انسان کے علاوہ تمام حیوانوں میں صرف حواس ہیں اور وہ حواس کے احاطہ میں اچھا برا، نفع نقصان پہچان لیتے ہیں۔ مگر یہ قوت جس کا نام ''عقل'' ہے انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔

اسی کی وجہ سے آدمی کو ذوق جستجو پیدا ہوتا ہے اور اس جستجو سے پھر اس کی عقل اور بڑھتی ہے وہ اسی عقل کے برکات سے معلومات کا ذخیرہ فراہم کرتا رہتا ہے۔ موجودہ لوگوں سے تبادلۂ خیال پچھلی کتابوں سے سبق لے کر ہزاروں برس کی گذشتہ آوازوں میں اپنی صدائیں بڑھا کر آئندہ صدیوں تک پہنچانے کا حریص ہے، اس کی عقل کبھی محدود یا مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ اپنی عقل کا قصور مان کر آگے بڑھ رہا ہے۔

یہ ذوق ترقی انسان کے علاوہ کسی دوسرے میں ناپید ہے۔ انسان کے سوا دوسرا مخلوق لاکھوں برس طے کرے تب بھی انسان نہیں بن سکتا۔

انسان اصل نسل میں سب سے الگ اور خود ہی اپنی مثال ہے۔ بے شک تہذیب وتمدن میں اس کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں لامعلوم صدیوں کو طے کر کے موجودہ تہذیب وتمدن کی منزل تک پہنچا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ہر طرح ترقی کی۔

اس نے بہت سے قدم ناسمجھی کے بھی اٹھائے جن سے آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹا۔ واللہ اعلم آگے بڑھ کے کہاں پہنچے۔

اس کا عقلی کمال اس میں ہے کہ وہ اپنے معلومات کی کوتاہی کا احساس قائم رکھے۔ اسی لئے اکثر باتوں میں خود عقل حکم لگانے سے انکار کرتی ہے اور انہیں اپنے دسترس کے حدود سے بالاتر قرار دیتی ہے۔

بہت باتوں کو خود عقل سماع کے حوالہ کرتی ہے۔ ان میں اپنا کام بس اتنا سمجھتی ہے کہ امکان کی جانچ کرے۔ محال نہ ہونے کا اطمینان کر لے۔ اس کے بعد صحت اور عدم صحت مخبر کے درجہ اور اعتبار سے وابستہ ہے۔

واہمہ مشاہدہ کی گود کا پلا، اس کے گرد چکر لگاتا ہے۔ اس نے بہت باتوں کو جن کی مثال آنکھ سے نہیں دیکھی غیر ممکن کہہ دیا۔

اسی کے ماتحت انبیاءؑ کے معجزات کا انکار کیا، مگر عقل جو مادیت کے پردے اٹھا کر، کائنات کے شکنجے توڑ کر حقیقتوں کا پتہ لگانے میں مشتاق ہے، اس نے وقوع اور امکان میں فرق رکھا، محال عادی اور محال عقلی کے درجے قرار دیئے اور غیر معمولی مظاہرات کو جو عام نظام اور دستور کے خلاف ہوں ممکن بتایا اسی سے معجزات انبیاءؑ کی تصدیق کی۔

آج ہزاروں صناعوں کی کارستانیوں نے اس کو ثابت کر دیا۔ موجودہ زمانہ کی ہزاروں شکلیں، لاکھوں اوزار، بے شمار ہتھیار، لاانتہا مشینیں، ہزارہا ملیں ایسے ایسے منظر دکھاتی ہیں جنہیں سو دو سو برس پہلے بھی کسی سے کہتے تو وہ دیوانہ بناتا اور سب باتوں کو غیر ممکن ٹھہراتا۔ آج وہ سب باتیں ممکن نہیں بلکہ واقع نظر آتی ہیں۔

ان کارستانیوں نے معجزات انبیاءؑ کا خاکہ کیا اڑایا، بلکہ ان کو ثابت کر دکھایا۔

جو بات آج علم کی تدریجی اور طبیعی ترقی کے بعد دنیا میں ظاہر ہوئی آج معجزہ نہیں ہے۔ لیکن یہی موجودہ انکشافات کے پہلے عام اسباب کے مہیا کئے بغیر صرف خداوندی رہنمائی سے ظاہر ہوئی تو معجزہ ٹھہری۔

ٹاکی سینما میں عقل کا تماشا ہو یا انجنوں اور موٹروں کی تیز رفتاری، ہوائی جہاز ہو یا ٹیلیفون، وائرلس، ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر سب نے کائنات کی پوشیدہ طاقتوں کا راز کھولا، راز بھی وہ جو لاکھوں برس تک عام انسانوں سے پوشیدہ رہا۔ پھر انسان کو کیا حق ہے کہ وہ کسی چیز کو صرف اپنے حدود ومشاہدہ سے باہر ہونے کی وجہ سے غیر ممکن بتادے۔

مگر یہ انسان کی سخن پروری ہے کہ وہ ان حقیقتوں کو دیکھ کر بھی انبیاءؑ کے معجزات کو افسانہ کہتا ہے۔

عقل ایک واحد طاقت ہے جس کے ماتحت بہت سی قوتیں ہیں۔ ان میں سے ہر قوت ایک احساس ہے اور عقل کا نتیجہ علم ہے۔ انسان کا دماغ مخزن ہے۔ قوت عاقلہ اور پانچوں حواس اس میں معلومات جمع کرتے رہتے ہیں۔ یہی سرمایہ انسان کی کائنات زندگی ہے۔

طبائع انسانی جذبات کے ماتحت جدت پر مائل ہیں۔ ہوا و ہوس کی شوخیاں نچلا بیٹھنا پسند نہیں کرتیں۔

کبھی حجری زمانہ تھا، بتوں کی خدائی تھی، اب شمسی عہد ہے، عالم کا نظام، اجسام میں کشش، مہر کی ضیا سے قائم ہے پہلے آسمان گردش میں تھا، زمین ساکت تھی۔ اب آسمان ہوا ہو گیا۔ زمین کو چکر ہے، ابھی تک جسم فنا ہو جاتا تھا روح باقی رہتی تھی۔ اب کہا جاتا ہے کہ جسم کے آگے روح کا وجود ہی نہیں۔ یہ انسان کے ناقص خیالات ہیں جن میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ مگر عقل بردبار، ثابت قدم اور مستقل مزاج ہے۔ وہ جن باتوں کو ایک دفعہ یقین کے ساتھ طے کر چکی۔ ہمیشہ انہیں یقینی سمجھتی ہے کوئی سنے یا نہ سنے مانے یا نہ مانے وہ اپنی کہے جاتی ہے۔

مذہب کے خلاف توہمات ہمیشہ سے صف بستہ تھے آج بھی پرے جمائے ہیں جذبات انسانی اس کی گرفت سے نکلنے کو پھڑ پھڑائے اور اب بھی پھڑ پھڑاتے ہیں مگر عقل اور فطرت کی مدد سے اس کا شکنجہ ہمیشہ مضبوط رہا اور اب بھی مضبوط ہے۔ خدا کی سنت یعنی فطرت کی رفتار کو تبدیلی نہیں ہوتی۔ زمانہ کی تاثیر، ماحول کا اثر، صورتیں، شکلیں، ڈیل ڈول، وضع قطع، ذہنیت میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

صدیوں میں ملکوں کا جغرافیہ، قوموں کی تاریخ، برسوں میں مقامی فضا طبیعتوں کا رنگ، مہینوں میں فصلوں کا تداخل، ہفتوں میں چاند کا بدر و ہلال، گھنٹوں میں مہر کا عروج وزوال، منٹوں میں سطح آب پر یالب جو حبابوں کا بننا بگڑنا، دم بھر میں سانس کا الٹ پھیر، آنا جانا، حیات سے ممات سب کچھ ہوا کرے۔ مگر عقل کی ثابت حقیقتیں کبھی تبدیل نہیں ہوسکتیں۔

اسلام انہی حقیقتوں کی حمایت کا بیڑا اٹھائے ہے۔ اس میں توہمات کے سیلاب سے مقابلہ، جذبات سے بیر، دنیا جہان کے خیالات سے لڑائی ٹھانی ہے مگر ہے تو نیک صلاح۔

اگر خاموش بنشینم گناہ است

انسان کی بھیڑیا دھسان خلقت نے ایک وقت میں حیوانات کے ساتھ ساز کیا اور ذی اقتدار انسانوں کو خدا ماننے میں تامل نہیں کیا۔ پھر خدا کو انسان کے قالب میں مانا بلکہ ان سے بھی پست ہو کر درختوں کی پوجا کی۔ اور پہاڑوں کو معبود بنالیا۔ اب جبکہ وہ ترقی کا مدعی ہے تو مادہ کے ذرّوں کو سب کچھ سمجھتا اور کائنات کی پوشیدہ قوتوں کی پرستش کر رہا ہے۔ خیر اس کی نگاہ حاضر مجسموں سے پوشیدہ طاقتوں کی طرف مڑی تو!

امید ہے کہ اگر عقل صلاح کار کا مشورہ قبول کرے تو غیب پر ایمان لے آئے اور مافوق الفطرت خدا کی ہستی کا اقرار کرلے، وہ خدا جو آسمان اور زمین سب کا مالک ہے کسی جگہ میں محدود نہیں، بے شک وہ خلق کی ہدایت کے لئے زمین پر اپنے پیغامبر بھیجتا اور ان کی زبانی بہترین تعلیمات پہنچاتا ہے اور خصوصی دلائل اور نشانیوں کے ذریعہ ان کی تصدیق کرتا ہے۔ ان دلائل کا نام

معجزات ہے۔ مستقبل کے اخبار ان کے ماتحت ہیں۔ فطرت و عقل دونوں ان کے ہم آہنگ ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

خدا

مذہب اور عقل دونوں متحد ہیں اسلئے مذہبی اور عقلی خدا الگ الگ نہیں ہے۔ وہ واحد ہے لاشریک ہے، تمام اوصاف حمیدہ سے متصف ہے۔ **ماعرفناک حق معرفتک** اس کے سب سے زیادہ پہچاننے والے کی آواز ہے۔ لامکان ہے، قاب قوسین اوادنیٰ اس سے تقرب کا ایک مجازی نشان ہے۔ کوہ طور کی تجلی اس کی قدرت کی ایک ادنیٰ شان ہے۔ سب کو دیکھتا ہر ایک کی سنتا ہے اس معنیٰ سے کہ اس کی دانائی ہر شے کو عام ہے۔ الفاظ اس کے مخلوق ہیں یہی اس کا کلام ہے۔ جبرئیل اور موسیٰ سے انہی معنی میں ہم کلام ہے۔ قیامت کے روز پوچھ گچھ اس کے حکم سے ہوگی۔ صحائف فرقان، توریت، انجیل، زبور، سب اس کے مخلوق کلام ہیں۔

انسان اپنے خالق کی جستجو میں سرگرداں ہے لیکن اس کا وہم وادراک تخلیق عناصر اور ایتھر کی پیچیدگیوں میں الجھ کر فضائے لامحدود سے آگے نہیں بڑھتا مگر عقل قدم آگے بڑھاتی ہے نظام ہستی کو دیکھ کر یقین کرتی ہے کہ یہ عظیم الشان کارخانہ کسی دانشمند نے سوچ سمجھ کر عمداً بنایا ہے۔ جس صنعت کا کوئی صانع نظر نہ آئے۔ جس قوت کا باعث کوئی دکھائی نہ دے، جس دانائی کا کوئی دانشمند معلوم نہ ہوسکے اس کے لئے خواہ مخواہ کوئی مجاز نہیں ہوسکتا جو چاہے سمجھ لے بے شک عقل کا کام غور کرنا ہے اور اسی کو اپنے یقین کی بنا پر مافوق الادراک میں دخل درمعقولات کا حق ہے۔

خدا دکھائی نہیں دیتا۔ جان یا روح بھی نظر نہیں آتی، جسم سامنے ہے اور متحرک ہے۔ جسم بغیر کسی قوت کے متحرک نہیں ہوسکتا، اس کے اندر کوئی قوت ضرور ہے جو متحرک کر رہی ہے اور دکھائی نہیں دیتی۔ یہ سچ ہے کہ قوت جسم نہیں رکھتی مگر بغیر جسم کے ثابت بھی نہیں ہوسکتی اس لئے وہ جسم کے ساتھ شامل اور پیوستہ خودنمایاں ہوتی ہے۔ ہم نے اس کا نام قوت نامیہ رکھ لیا مگر چونکہ وہ خود جسم کے وجود کی محتاج ہے اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ قوت متحرکہ نے جسم کی بنیاد ڈالی ہے۔

عقل نے مزید کاوش کی تو کائنات کے ذرے ذرے میں ایک اور مقدم تر کیفیت محسوس کی جو ذی حیاتوں میں قوت مقناطیسی اور ذی روحوں میں جذبات یا فطرت کی حیثیت سے وابستہ پائی گئی، یعنی اجسام میں کشش اور نر و مادہ کے درمیان خواہش بن کر نمودار ہے۔ یہی دو جسموں کو ملا کر تیسرا جسم اور قوت نامیہ پیدا کر رہی ہے اور اس میں خلاقی طاقت مضمر نظر آتی ہے۔ یہی ابتدائی اور بنیادی قوت نظام ہستی کی بانی معلوم ہوتی ہے۔ ہم نے اس کا نام قوت جاذبہ رکھ لیا، ان سب آثار کے مخزن اور مرکز کو ہر جسم میں جان کہنے لگے یہ جسم وجان باہم آمیختہ ایک دوسرے کے ساختہ وپرداختہ پائے گئے۔ اگر ہم جان کو جسم سے بے نیاز پاتے تو شاید جان کو خدامان لیتے مگر ہم جسم وجان کو شامل اور پیوستہ مخلوق پاتے ہیں اس لئے ہماری عقل ان کو خدا ماننے پر تیار نہیں ہوتی اور جسم وجان کے پیدا کرنے والے کو خدا مانا ہے۔

اسی طرح ظاہر بظاہر آفتاب کی حرارت، ایتھر کی کاوشیں، عناصر کی جدوجہد، فضائے لامحدود میں ہر قسم کی خلقت بناتی رہتی ہے۔ اس کی طرف بھی تخلیق کی نسبت کا دھوکہ ہوتا ہے۔

مگر ظاہر ہے کہ عناصر کے دماغ نہیں جو سوچیں، عقل نہیں جو دانائی ظہور میں آئے اور کائنات کی ہر شے کی ساخت میں سوچی سمجھی دانائی پائی جاتی ہے۔ وہ سلیقہ شعار جس کی کارسازیاں، پتھر، عناصر، موالید ثلاثہ سے ظاہر میں دکھائی نہیں دیتا مگر ضرور وہ ان سب سے بالاتر ہے اس لئے ہم نے ان سے مقدم اور بالاتر قوت اول واعلیٰ کو اپنا رب یا خالق مان لیا ہے۔ واضح ہوگیا کہ خدا انسان کی ذہنی تخلیق نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کو ذہن نے اس کے آثار اور مخلوقات کو دیکھ کر معلوم کیا ہے اور اسی کو نظام ہستی کا بانی قرار دیا ہے۔

عقل ومذہب کے معلومات میں سب سے زیادہ مہتم بالشان وجود خداوندی ہے۔ ذہن انسانی نے اب تک خداشناسی

میں ہر چند کدو کاوش کی مگر مسلمانوں کے وحدہ لاشریک سے بہتر اوصاف نہ بتلا سکا۔ جس کی ذات، اصل حقیقت کو سمجھنا ممکن ہے لیکن صنعت صانع کو دکھا رہی ہے۔ خلقت خالق کو بتا رہی ہے۔ سلیقہ دانشمند یاں پیش کر رہا ہے۔ پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ قدرت دیکھیں قادر نہ کہیں، صناعی دیکھیں دانائی نہ مانیں۔ مخلوق کے ہوتے بھی خالق نہ مانا جائے۔

عقل کے پتلوں نے صحن عالم میں مخلوق کی تصویریں چلتی پھرتی دیکھیں۔ افلاک کو حکمت سے رفیع، کائنات کو قدرت سے وسیع، موجودات کو فطرت سے موضوع، خلا کو خلقت سے مملو پایا خالق کو تسلیم کرلیا۔ غور سے دیکھا تو اپنے گردوپیش کی تمام مخلوق میں آفتاب کو کارفرما۔ عناصر کو جلوہ آرا پایا۔ زمانے بھر میں اسی کی گرما گرمی پائی۔ فضائے فلکی میں آل آفتاب کو گھومتے پھرتے ستاروں کو جگمگاتے، سیاروں کو چکر کھاتے دیکھا۔ اجسام میں کشش، کشش میں رابطہ، اجرام میں گردش۔ گردش میں ضابطہ نظر آیا، مگر سب کو قاعدہ کا پابند، فطرت کا تابع، قانون قدرت کا مطیع دیکھا۔ سطح ارضی پر ہوا کو حاوی، پانی کو جاری، نباتات میں نمو، جمادات کو قائم، حیوانات کو متحرک پایا، ان کی بقا کے لئے ہوا میں روح، پانی میں زندگی، نباتات میں غذا پائی، سب کے پیکروں میں اعضا کا تناسب، ہر شے ضروری اجزاء سے مرکب، ہر جسم مناسب اعضا سے مرتب، ہر چیز موزونیت سے سجی سجائی پائی، ان کی خلقت میں منشاء نوعیت میں ارادہ، صنعت میں سلیقہ، صناعی میں دانائی نظر آئی، کثرت مشاہدہ نے دماغ کو ایسا گھیرا کہ عقل سے نہیں کے بجائے ہاں کہنا پڑا۔ لاکھ موجودات کے مشاہدہ نے دکھایا۔ بتایا، سمجھایا، ہزار ذہن رسا کی جدت، طبع کی جودت، واہمہ کی قوت، خیال کی وسعت، تصور کی رفعت، فکر کی نزاکت سے کام لیا، مگر دل و دماغ کی قوتیں، مصور قدرت کا ہیولیٰ قائم نہ کرسکیں، نظام عالم قائم رکھنے والی تمام قوتوں کو مخلوق پایا۔ وہم نے سب قوتوں کے مجموعہ کو واحد قدرت قرار دینا چاہا مگر عقل نے زبان روکی۔

مجموعہ کا درجہ اجزاء کے وجود کے بعد ہے پھر جب سب قوتیں مخلوق ہیں تو مجموعہ ان کا ضرور بالضرور مخلوق ہوا، مجبوراً ماننا پڑا کہ خالق وہ ہے جو ان سب قوتوں سے بالاتر ہے اور اس نظام سے الگ موجود ہے۔

وہ خالق ہے مجموعہ عناصر خاک و باد، آب، آتش، کا صانع ہے موالید ثلاثہ حیوانات، نباتات، جمادات کا موجد ہے جان، قوت نامیہ، قوت جاذبہ کا۔ اسی سے وجود میں آئی ہے۔ ساری کائنات، پائے ہیں سب نے ضرورتیں رفع کرنے کے لئے مناسب اعضا، مہیا ہوگیا ہے ہر ایک کے لئے سامانِ غذا، جس سے اس کی زندگی کی بقا ہے۔ اسی لئے اسے رحیم و کریم اور رزاق کہا جاتا ہے وہ ہرگز کسی جزو کا کل نہیں ہے۔ نہیں تو درجہ میں اجزاء کے بعد ہوتا بلکہ جزو کل ہر ایک کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ بے ہمتا ہے۔ اس لئے واحد کہتے ہیں۔ ورنہ واحد بھی نہیں، وہ احد یعنی اکیلا ہے جو شمار میں نہیں آتا۔ گنتی میں نہیں سماتا۔ وہ پاک و پاکیزہ جسم سے منزہ ہے جس کو فنا نہیں، تغیر نہیں، تبدل نہیں، اس کی قدرت کے کرشمے صریحاً آنکھ سے دیکھ رہے ہیں پھر بھی وہ خود غائب ہے۔

وہ سب پر حاوی، ہر شے میں دخیل ہے، اس لئے حاضر کہہ سکتے ہیں۔ صحن عالم میں مخلوق کا اژدہام دیکھا۔ خلا کو خلقت سے مملو پایا، خلاق تسلیم کرلیا۔

کائنات کے ذرے ذرے میں حکمت سے عادل مانا، قادر، حاضر، دانا، خلاق اور عادل سب عقل سے تسلیم کیا۔ پھر بھی عقل بتلاتی ہے کہ اس کی ذات۔ نری کھری ذات ہی ہے۔ صفات اس سے الگ نہیں۔

عقل کی سمجھی کامل ذات کو لفظوں سے سمجھانے بیٹھے تو یہ اور ان کے سوا اور بہت صفتیں بن گئیں۔ سب صفتیں حقیقت کے اعتبار سے ٹھیک ہیں کیونکہ کمال کے بہت سے پہلوؤں کو الفاظ میں ادا کرنے والی ہیں۔ مگر حاشا ان کے ظاہری مفہوم کے لحاظ سے انہیں صفت نہ سمجھو۔ صفت تو وہی ہے جو ذات سے الگ ہو۔

خالق میں ذات اور صفات کا تفرقہ کہاں، اس کی لامحدود، کامل ذات کی تعبیر نے ہجوم صفات کی شکل اختیار کی۔

جب قادر اور حکیم ہے تو مہربانی کے موقع پر رحیم، سختی کے محل پر قہار بھی ضرور ہے۔ مہربانی کے نتیجہ میں ستار اور غفار بھی، رزاق بھی ہے۔ دانا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ سننے کی چیز ہو یا دیکھنے کی۔ اس لحاظ سے سمیع و بصیر ہے۔ کلام کا خالق ہے۔ اس لئے متکلم ہے یہ سب باتیں لفظ نہیں، معنی ہیں جو عقل نے سوچے اور ان کے لئے قریب تر الفاظ مقرر کئے ہیں۔

لفظوں کے ظاہری معنی پر جا کر اعتراض ہی کرنا چاہو تو قادر، حاضر، دانا، خلاق اور عادل بھی نہ کہو کیونکہ یہ سب مفہوم کے اعتبار سے صفت ہیں۔ اور اس کی ذات صفات سے بری۔ لیکن اگر حقیقت طلبی چاہتے ہو اور نیک نیتی کے ساتھ سمجھنے سمجھانے کے لئے ان الفاظ کا استعمال کرتے ہو تو معنی پر غور کرو اس کمال کے نتیجہ کو دیکھو جو صفت میں مضمر ہے۔ اس نقص پر نہ جاؤ جو اس کے ظاہری مفہوم میں مضمر ہے۔ رحیم کہو اس اعتبار سے کہ اس سے اچھے اچھے فائدے خلق کو حاصل ہوتے ہیں۔ جذبات کا خیال ہرگز دل میں نہ لاؤ۔ قہار کہو اس لحاظ سے کہ عدالت کے تقاضے سے بہت سوں پر اس کی جانب سے سختی بھی ہوتی ہے۔ غصہ اور غضب کی انفعالی کیفیت کا توہم نہ کرو۔

سننے دیکھنے کے معنی فقط یہ سمجھو کہ دیکھنے سننے کی چیزیں اس کے علم میں ہیں اعضاء کا دھیان نہ لاؤ۔ متکلم بھی اس لحاظ سے ہے کہ کلام کو جہاں چاہے پیدا کرتا ہے مگر کام و دہان کا تصور ذہن سے دور رکھو کیونکہ وہ جسم سے مبرا ہے۔ انسانوں کی طرح بولنا سننا اس کی شان سے دور ہے۔ حضرت موسیٰؑ جس کلام کو سنتے تھے وہ بھی اللہ کا مخلوق ہے۔ اور قرآن بھی اس کا پیدا کیا ہوا ایک کلام ہے۔ دانائی کے لحاظ سے ہر بات کو سنتا دیکھتا ہے۔ قوی کے مقابل میں ضعیف کو پامال ہوتے بھی دیکھتا ہے۔ اور اپنی حکمت و عدالت سے اس کی پاداش مقرر کرتا ہے۔ اس کے بندے جو اس کے ناظر ہونے کے دل سے قائل ہیں، ہرگز دیدہ و دانستہ بدافعالیوں کی جسارت نہیں کرتے۔ بداعمالیوں کی جرأت مطلق نہیں ہوتی۔

قیامت کا اعتقاد، عدالت کا لازمی نتیجہ ہے، جب بے دیکھے خدا کو عقل سے پہچانا اور اس کو عادل عقل سے مانا تو قیامت کا بھی عقل کے کہنے سے اقرار کیا۔

سوچا سمجھا جانا پہچانا مرکز ہے اس لئے عقل کو اس کے گرد چکر ضرور ہے۔

وہم کی وسوسہ انگیزیاں ہیں جن سے ایک راز کی بے شمار تاویلیں۔ ایک واقعہ کی کثرت سے داستانیں ایک منزل کے بے حد راستے، ایک نشان کے صد ہا نام، ایک نور کی لا انتہا صورتیں ہو گئیں۔

اس معنی سے کہ وہ کسی کے مانند نہیں کہو کہ خدا کوئی شئے نہیں بے شک صحیح ہے خدا کوئی چیز نہیں لاریب درست ہے۔ مگر خدا نہیں ہے۔ یہ خدایا غلط ہے۔

کیا خدائی کے ہوتے بھی خدا نہیں ہے، خلقت کے ہوتے بھی خالق نہیں ہے صنعت کو دیکھتے بھی صانع نہیں ہے۔ موجودات کے ہوتے بھی اس کا وجود نہ مانو گے۔ پھر کس طرح کہہ سکتے ہو کہ ہم کسی علٰحدہ وجود کے مقر نہیں۔ عقل کی تسلی کے لئے دنیا کو غور سے دیکھو!

اس کا وجود علٰحدہ یعنی مستقل ہے۔ اس کی شہادت کائنات کا ذرہ ذرہ دے رہا ہے، اس کی تصدیق بدن کا رویاں رویاں کرر ہا ہے۔ اس کی گواہی عناصر اربعہ کی ترتیب دے رہی ہے۔ مخلوق کے اعضاء کی ترکیب دے رہی ہے۔ موالید ثلاثہ کی تخلیق دے رہی ہے۔ قدرت کو فطرت کی صورتوں میں دیکھو۔ خالق کا نشان خلقت کی شکلوں میں پہچانو، وہی ہے کمال بخش عقل، وہی سراسر عدل، اس کی قدرت آشکار ہے ذرہ ذرہ میں، موالید ثلاثہ میں، مجموعہ عناصر میں۔ حواس خمسہ میں، سات طبق زمین، نُہ افلاک میں اس کا جلوہ ہے، آفتاب کی ضیاء، ذرہ کی ضو میں، وہی ہے پیدا کرنیوالا کشش کا مرکز میں، وہی ہے خزانہ دار

عقل کا۔ وہی ہے قوت کا ماٰخذ، وہی ہے روح کا موجد، اسی کی کشش ہے دل میں، اسی سے عقل ہے دماغ میں، اسی سے قوت ہے اعضاء میں، اسی سے روح ہے بدن میں، اسی سے کائنات کی ہر شے، شے ہے اور ہر ایک میں ایک حد کمال ہے۔ وہ عرش سے بالا، جان سے نزدیک ہے۔ وہ قریب سے قریب تر، دور سے دور تر ہے۔

دور کیوں جاؤ خود کو دیکھو خدا کو پہچانو، آپ میں ہو تو آپ میں دیکھو، کاوش تحقیق اپنے ہی میں خدا کا نشان پا رہی ہے۔ اپنے ہی جسم کے اعضاء کی ترتیب پر غور کرنے سے خدا سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ عقل، منشاء، ارادہ، صناعی، دانائی، سب خداوندی قدرت کے پرتو ہیں۔ جو تمہارے روئیں روئیں جوڑ پٹھے سے معلوم ہو رہے ہیں کائنات کی ہر شے میں اس کی قدرت کا نشان ہے۔ مگر وہ خود کسی شے میں نہیں ہے۔ کسی جگہ پر نہیں ہے۔ کسی خلوت، جلوت، کشمکش، ہنگامے، چہل پہل، گہما گہمی، ہجوم، جمگھٹے، انبوہ، جرگے، گروہ، جماعت، اژدہام، غول، جم غفیر میں اس کی ہستی شامل نہیں۔

وید، بھاگوت اور پران، توریت، انجیل، زبور اور فرقان سب اس کے ثناخواں ہیں۔ دیر وحرم میں اس کی یاد، دین اور دھرم میں اس کے گیان ہیں، عرب میں رب، عجم میں خدا، انڈیا میں پرمیشور، یورپ میں گاڈ، اس کے مختلف نام اور نشان ہیں۔ صبح کی نوبت، شام کا نقارہ، مئوذن کی اذان، سنکھ کی آواز ناقوس کی صدا، گرجا کا گھڑیال سب اس کی عظمت کے اعلان ہیں جن میں کچھ دلوں کے بنائے اور کوئی اس کا فرمان ہے۔

کائنات کی لامحدود وسعت میں ڈھونڈھو، اس کا دیدار کہیں نصیب نہیں، افلاک کی بلندی اور طبقات الارض کی پستی سے اسے یکساں نسبت ہے۔ قطبین کا قیام، زمین وآسمان کی گردش، مہر وماہ کا طلوع وغروب، عروج وزوال فضائے بسیط کے ستارے اور سیارے، دریا کی روانی، موجوں کی اچھل کود۔ ہوا کے جھونکے، پانی کے تھپیڑے، صحرا کی ویرانی، دشت کا سناٹا، بہار کی تازگی، خزاں کی اداسی، سمندر کے شور، پہاڑوں کی خاموشی سے پوچھو۔ سب اس کا کلمہ پڑھتے ہیں، سننے والا کان چاہئے، بجلی کی لپک، سورج کی چمک میں دیکھو۔ سب میں اس کی قدرت کا نور ہے۔ دیکھنے والی آنکھ چاہئے۔

آفتاب دور دراز فاصلہ سے چمکتا ہوا سنہری گولہ ہے۔ ظاہر میں روشنی کا مخرج، باطن میں حرارت کا مخزن، حقیقت میں ثوابت اور سیاروں کی کشش کا مرکز ہے۔

ہم نے نظام عالم میں اسی کو کارفرما پایا جو کچھ پایا اسی کی گرمی سے، جو کچھ دیکھا اسی کی روشنی سے۔ خلقت بھر سے فائق پایا۔ اپنا خالق، موجودات کا خلاق کائنات کا آفریدگار ماننا چاہا مگر عقل نے بتایا کہ جو نکلتا ڈوبتا رہے جو ظاہر ہوتا چھپتا رہے۔ وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ سامنے آجانے سے پردہ فاش ہوگیا وہ بات وہ شان، وہ عظمت تشریف لے گئی۔ صانع کی صنعت، خالق کی خلقت ہوگیا۔ یہ خود آرا نہیں، خود آیا نہیں، خدا کیونکر ہوسکتا ہے۔

اس کی درخشانی کے باعث اس کے جسم کے اجزاء ہیں، اجزا کو کیمیائی ترکیب دینے والے قدرت کے اسباب ہیں۔

محیط عالم، قدرت کا معائنہ، لامحدود کائنات کا مشاہدہ بے شمار موجودات کی ترتیب کا سلیقہ ایک دانشمند ہستی کے وجود کا یقین دلا رہا ہے۔ مگر مشاہدہ اس تک پہنچتا نہیں۔ تصور کوئی صورت بناتا نہیں، خیال پیش نہیں کرتا، حواس خمسہ سے محسوس نہیں ہوتا۔ ایتھر سے باہر، عناصر سے بالاتر ہے دکھانے کو اشارہ، بتانے کو لفظیں نایاب ہیں۔

البتہ عقل کی نکتہ رسی پر صد ہزار آفرین۔ جس نے مخلوق سے الگ کر کے اسے بتادیا کہ قادر ہے، حاضر ہے، دانا ہے، خلاق اور عادل ہے اور کامل بلکہ سراسر کمال ہے۔ اور اسی کے ماتحت وہ سب کچھ ہے جسے عقل کمال کے تحت میں داخل کرے بشرطیکہ اس میں نقص کا شائبہ بھی نہ ہو۔ عقل رکھتے ہوئے اگر مان لو تو تعجب نہیں مگر نہ مانو تو سخت تعجب ہے جبکہ عالم کے ذرہ ذرہ میں اس کی قدرت کا جلوہ نمایاں ہے۔

رسول

رسول بھی مذہبی وہی ہے جو کہ عقلی ہے۔ تفرقہ کرنا اپنی عقل کی کوتاہی ہے۔

نبی اور رسول اصطلاحی لفظیں۔ لغت کے اعتبار سے مجاز، اصطلاح کے لحاظ سے حقیقت ہیں۔ نبی کے معنی خبر دینے والا، یعنی ان حقیقتوں کا بتلانے والا جو عام نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ پیشین گوئی اور غیب کی خبر دینی، اس کی حقیقت کا جزو نہیں ہے بلکہ نبی کی تصدیق کے لئے بطور اعجاز ایک خارجی صفت ہے۔ رسول کے معنی فرستادہ، خدا کا پیغام پہنچانے والا ہیں۔ مگر معنی کی حقیقت میں محل کے اختلاف سے تبدیلی ہوتی ہے۔ بھیجنے کا تعلق کسی مادی ہستی کے ساتھ ہو تو وہ بھیجنا بھی مادی ہوگا یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا لازم ہوگا لیکن جب غیر مادی ذات یا غیر مادی چیز کے ساتھ اس کا تعلق ہو تو بھیجنے والے کا مقام۔ قیام اور جسم کچھ بھی درکار نہیں۔ اس کے معنی ہیں صرف یہ کہ خدا کی مرضی اور حکم کی بناء پر کوئی اصلاح خلق اور دنیا کو سچائی کے تعلیمات پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

وہ ظاہر و باطن ہر طرح انسان ہوتے ہیں مگر عامۂ بشر سے مافوق، مافوق البشر نہیں بلکہ بلند مرتبہ والے بشر۔ نور سے خلقت کا ہونا ایک مجازی تعبیر ہے صفائے نفس اور کمال عقل کی۔

فضائل اور مناقب کی حدیثیں جو محمد و آل محمدؐ کے لئے وارد ہوئی ہیں انہیں رسالت و نبوت کے عمومی عقائد میں داخل کرنا ہرگز درست نہیں، نبیوں کی فہرست طولانی ہے۔ سب کے لئے کس نے کہا ہے اور کب کہ تمام مخلوق و ملائکہ سے پہلے خلق کئے گئے ہیں یا خدا نے اپنے ہی نور سے خلق فرمایا ہے۔ یا ان ہی کی خاطر سب چیزوں کو خلق کیا ہے۔ یا یہاں سے سنتے سمجھتے دیکھتے رہتے آسمان پر جایا کرتے ہیں۔

خدا وند عالم کی خصوصی تعلیم جو انبیاء تک پہنچتی ہے اسی کا نام وحی ہے۔ بیشک بعض ابنیاء کو کتاب بھی عطا ہوئی۔

روحانی حیثیت کے سفیر کا پیام وسلام پہنچانا بھی عقل کے نزدیک لائق انکار نہیں ہے۔ کارخانۂ قدرت کو بے شک بخوبی دیکھا بھالا، غور کیا اور سمجھا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو معرفت ان کی ناقص ہوتی۔ دوسروں کی تکمیل و تربیت کس طرح کرتے اکثر رموزِ الٰہی سے واقف بھی کئے جاتے ہیں مگر دونوں جہان کا مالک سوائے اللہ کے کوئی نہیں، سب طرح کی قوت سوائے اس کے کسی کو نہیں۔ وہ جتنے اختیارات جس کو دیدے۔ جتنی قوت جس کو عطا کردے اتنی اس کو ہے۔ اسی قوت سے انبیاءؑ کام لیتے ہیں۔ اس قوت کا درجہ بھی مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ کی مرضی پر ہے۔ نظام عالم کبھی ٹوٹتا نہیں۔ مگر عام معمول اور ظاہری دستور کا انتظام کبھی کبھی ان کے ہاتھوں خدا توڑ بھی دیتا ہے۔ دنیا میں ہر زمانہ میں بہت سے واقعات عام دستور کے خلاف ہوتے رہتے ہیں اور نظام عادت اکثر ٹوٹا رہتا ہے۔ مگر یہی خلاف دستور و عادت امر جب نبی کے دعوے کے مطابق، اس کے قول کے ثبوت میں ہوجاتا ہے تو معجزہ کہلاتا ہے۔ وفات پانے کے بعد مادی زندگی انبیاءؑ کے لئے بھی ثابت نہیں، ہاں روح جتنی کامل ہو اس کے ادراکات اتنے قوی اور کامل ہوں گے۔ ان معنوں سے ان کو روحانی زندگی حاصل ہے اور ان کا ذریعہ خدا کی بارگاہ میں کارآمد ہے۔

فطرت الٰہی سے نہیں بلکہ اکثر نقائص مادی سے اپنے عقلی و روحانی کمال کی بدولت بری ہیں۔ گناہوں سے بالکل معصوم، غلطی سے بے شک بری ہیں۔ نہیں تو ان کا قول وفعل خلق کے لئے سند نہیں ہوسکتا۔

یہ ہیں انبیاءؑ کے عمومی صفات، اس کے علاوہ بہت باتیں خاص خاص انبیاءؑ کے مناقب کی ہیں۔ جو منقول طور پر بتلائی گئی ہیں اور عقل ان کے انکار کا کوئی خاص سبب نہیں پاتی۔

سختی کے وقت ملائکہ کا مدد کو آنا۔ قیامت میں بخشوانا۔ شفیع روز محشر، خاتم المرسلین اور اشرف الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی اوصاف ومناقب ہیں محال (عقلی) کا ممکن بنانا ہرگز کسی نبی ورسول کا کام نہیں۔ بلکہ محالات سے تو خدا

کی قدرت بھی متعلق نہیں ہوتی۔

آنحضرتؐ عملی طور سے اصلاحِ خلق کا کام اور رسالت کے فرائض ابتدائے عمر سے انجام دے رہے تھے۔ جب چالیس برس تک اپنے عقلی اور عملی کمال کو قوم سے منوالیا تو آواز غیبی سے زبانی دعوائے رسالت پر مامور ہوئے۔

واہمہ خلاق اس کا ہوتا ہے جس کی عقل ناقص ہو اور مالیخولیا یا خبط میں مبتلا ہو لیکن وہ انسان جس کے کمال عقل کی گواہی واقعات، حالات اور اس کے حکیمانہ تعلیمات نے دیدی ہو وہ اس خبط میں کبھی مبتلا نہیں ہوسکتا۔ وہ آواز سنے گا تو حقیقت ہوگی۔ خواہ وہ صدا فلک کی ہو یا ملک کی بہر حال اصلیت رکھے گی۔

بشر ہونے میں آپ کے کوئی شک نہیں۔

آپ خود فرماتے تھے کہ انا بشر مثلکم۔ اگر بشر نہ ہوتے تو عالم بشری کے لئے نمونہ کیسے بنتے مگر بشر ایسے تھے جو کمال بشری کا نمونہ بن سکے۔ ذاتی طور پر غیب دان کوئی رسول نہیں تھا۔ مگر خداوندی تعلیم ہے۔ آپ نے غیب کی خبریں ضرور دیں۔ پارہ ۲۱ سورہ روم آیت ۱،

۲۸۔مقام پر قرآن میں موجود ہے کہ آپ کو معجزہ عطا ہوا۔

وحی ذہنی تصور کا نام نہیں ہوتا۔ ورنہ ہر مالیخولیائی اور خبطی وحی کا مرکز سمجھا جائے بلکہ وحی نام ہے خداوندی پیغام کا خواہ بذریعہ ملک ہو یا صدائے غیب سے۔

فرشتہ کو یہ ضروری نہیں کہ عام انسانی مشاہدہ میں آئے مگر رسول کے پاس فرشتہ کا آنا قرآن میں متعدد جگہ مذکور ہے۔

خدا دکھائی نہیں دے سکتا اس لئے سورۂ والنجم میں بھی جبرئیل ہی مراد ہوسکتے ہیں۔

صدائے غیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی جسم میں پیدا ہو اس لئے اللہ جب چاہے جہاں چاہے اسے خلق کرسکتا ہے۔

نبی کی ضرورت اس وقت ہوتی جب شریعت محدود مدت تک کے ضروریات کو پیش نظر رکھ کر جاری کی گئی ہوتی۔ لیکن جب نوع انسانی کی تعلیم کا نصاب آخری درجہ تک پہنچا۔ تو شریعت ایسی بھیجی گئی جس کے قواعد وضوابط سے ہر زمانہ کے ضروریات میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایسی شریعت کے پہنچادینے کے بعد کسی پیغام لانے والے معلم کی ضرورت باقی نہیں رہی اور جس کے ہاتھوں یہ کامل شریعت آئی وہ آخری پیغمبر ہوا۔

یہ ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیؐ ہیں۔ افراد کے عمل نہ کرنے اور منحرف ہونے سے اور اس طرح خلق کے گمراہ ہونے سے شریعت ورسول کی ضرورت پیدا نہیں ہوا کرتی۔ ورنہ بہت سے انبیاء وہ تھے جن کے زمانہ میں فیصدی ۹۹ آدمی گمراہ تھے اور ایک آدمی راہ راست پر تھا۔ خود آنحضرتؐ کے زمانہ میں اور اس کے بعد کسی وقت میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ حق پرستوں کی تعداد گمراہوں سے بڑھ جائے۔ پھر اس سبب سے اگر آج کسی رسول کی ضرورت پیدا ہوتو اس کے بہت پہلے یہ ضرورت پیدا ہوچکی اور خود آنحضرتؐ کی موجودگی میں اور رسول کی بعثت ہونا چاہئے تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی بعثت کا یہ سبب نہیں ہوتا بلکہ یہ سبب ہوتا ہے کہ گذشتہ شریعت کے تعلیمات جتنی مدت کے حالات کے لحاظ سے بھیجے گئے تھے وہ میعاد ختم ہوگئی اس لئے دوسرا رسول بھیجا جاتا ہے۔ اب اگر کسی رسول کے تعلیمات کو بغیر کسی مقررہ میعاد کے ہمیشہ کے لئے جاری کیا گیا ہوتو اس کے بعد کسی رسول کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ ہر دین اپنے اپنے وقت کے مصالح کے لحاظ سے کامل ضرور تھا مگر بلا استثناء کامل دین وہی ہے جس کے بعد دوسرے دین کی ضرورت باقی نہ رہے۔ پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۴ میں پیغمبرؐ کو مخاطب کر کے نہیں کہا گیا ہے کہ تمہارا دین کامل ہوا یا تم پر نعمتیں تمام کی گئیں بلکہ نوع بشر کو مخاطب کر کے یہ ارشاد ہوا ہے اس لئے یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ دین کامل ہوا ہے تو آنحضرتؐ کا۔ نعمتیں تمام کی گئی ہیں۔ تو آنحضرتؐ پر بلکہ دین کامل ہوا تو تمام خلق کا اور نعمتیں تمام ہوئیں تو نوع بشر پر اس لئے نہ اس دین کے بعد کوئی دین، اور نہ اس نعمت سے مکمل تر اس کے بعد کوئی نعمت، یہی ایک نعمت تا ابد تمام دنیا کے لئے ہے اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ دنیا تا ابد نعمتوں سے محروم ہوگئی۔

پارہ ۸ سورہ اعراف آیت ۳۵

یابنی آدم امّا یأتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی کا یہ ترجمہ بالکل غلط ہے کہ "اے اولاد آدمؑ تمہارے پاس تمہارے ہی ہم جنس رسول ضرور آئیں گے جو میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائیں گے۔"

آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اولاد آدمؑ اگر آئیں تمہارے پاس تمہارے ہم جنس رسول جو میری آیتیں پڑھ کر سنائیں تو جو شخص پرہیزگاری اختیار کرے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرے تو وہ محزون نہ ہوگا۔

اس میں ایک عام اصول کا اعلان کیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا رسول جو آیا ہے اس پر اگر ایمان لاؤ گے تو نجات پاؤ گے لیکن اب اس کے بعد کوئی رسول آنے والا ہے یا نہیں، اس کا یہاں پر کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ دوسری آیت میں بتلا دیا ہے کہ اس رسولؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔

اب اس آیت کی برکت سے نہ مرزا غلام احمد صاحب کا رسول بنایا جانا درست ہے۔ نہ آئندہ اس آیت کے رو سے لوگ رسول بن سکتے ہیں۔ اس کے انسداد کے لئے قرآن کا فرمان کہ **(ولٰکن الرسول اللہ وخاتم النبیین)** اور یہ اعلان کہ **(اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی)** کافی ہے۔

اشرف الانبیاء

ہمارے رسول حضرت خاتم النبیین کثرت فضائل وخصوصیات کے لحاظ سے تمام انبیاؑء میں اشرف وبہتر ہیں۔ گذشتہ انبیاء میں حضرت عیسیٰؑ سب سے آخر میں تھے جن کی ماننے والی ایک بڑی امت موجود ہے ان کی فضیلت کے متعلق حسب ذیل خصوصیات کا توہم ہوتا ہے مگر وہ توہم صحیح نہیں ہے۔

۱۔ عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ خدا کی جان وروح ہیں۔ بلکہ ان کی روح کو مقام شرف میں اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے یہ حضرت عیسیٰؑ سے کیا مخصوص ہے بلکہ سلسلہ انبیاء میں جو سب سے پہلی فرد تھے حضرت آدم جو اولوالعزم بھی نہیں ہیں ان کے متعلق کہا ہے۔ **فاذا نفخت فیه من روحی۔** اس کے برخلاف ہمارے حضرت کا خود روح ہونا کیسا آپ منزل روح تھے جیسا کہ ارشاد ہوا۔ **ولقد ارسلنا الیک روحا من امرنا** ۔ اور دوسری جگہ۔ **تنزل الملائکة والروح۔**

۲۔ حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے مگر حضرت آدمؑ تو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے یہ سبب فضیلت نہیں ہے حضرت ابراہیمؑ سب کے نزدیک افضل ہیں مگر وہ بھی ماں باپ دونوں سے پیدا ہوئے تھے۔ اس کو ذاتی شرافت سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ عیسیٰؑ کی والدہ روح اللہ سے حاملہ ہوئیں۔ فرشتہ مریمؑ کو بشارت دینے آیا اور امر الٰہی کے اجراء کا ذریعہ ہوا اس سے یہ سمجھنا ہرگز صحیح نہیں کہ جس طرح بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے اس طرح عیسیٰؑ روح اللہ کی طرف منسوب ہیں۔

۳۔ عیسیٰؑ کی والدہ صدیقہ ہیں اور انہیں خدا نے پاک فرمایا اور تمام جہان کی عورتوں سے بڑھ کر برگزیدہ کیا مگر اس سے زیادہ خصوصیت ہمارے رسولؐ کو حاصل ہے کہ حضرت کی دختر صدیقہ، مطہرہ اور مریم سے زیادہ علم وطہارت کی حامل ہے اور سیدہ نساء العالمین ہے۔ یہ خصوصیت عیسیٰؑ کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔

۴۔ حضرت عیسیٰ کا صرف بطن مادر سے پیدا ہونے کے بعد نبوت کا دعویٰ تھا اور ہمارے رسول نے فرمایا کہ میں عالم ارواح میں خصوصیات نبوت کا حامل تھا۔

کنت نبیا و أدم بین الماۤء والطین۔

۵۔ اتانی الکتاب کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ عیسیٰؑ کی ولادت کے ساتھ کتاب دنیا میں آ گئی تھی بلکہ اس سے مطلب صرف اتنا ہے کہ مجھ کو اس نے کتاب عطا فرمانے کے لئے منتخب کیا ہے۔ یہی صورت ہمارے پیغمبرؐ کے لئے ہے۔

عیسیٰؑ کی کتاب بطور اعجاز نہیں دی گئی تھی مگر ہمارے رسولؐ کی کتاب کو معجزہ قرار دیا گیا۔

۶۔عیسیٰ کو پیدا ہوتے ہی کلام کی ضرورت اس لئے آئی کہ ان کی ماں کے دامن پر ایک بڑا اشرمناک دھبا آرہا تھا۔ ہمارے رسولؐ کے یہاں خدانخواستہ ایسے کسی الزام کی گنجائش نہ تھی۔

۷۔ہر نبی کو معجزہ اس کے اہل زمانہ کے لحاظ سے عطا ہوتا ہے جس چیز میں کمال کا اس زمانہ والوں کو ادعاء ہو۔

عیسیٰؑ کو معجزے عطا ہوئے تھے جسمانی اس لحاظ سے کہ اس زمانہ میں فن طب کا زور تھا مگر ہمارے رسولؐ کے زمانہ میں فصاحت وبلاغت اور کلام وبیان کا دور دورہ تھا اس لئے ان کو معجزہ اس طرح کا عطا ہوا۔

عیسیٰؑ کے معجزات فانی تھے مگر ہمارے رسولؐ کا معجزہ باقی ہے اور ہر زمانہ میں رسولؐ کی سچائی ثابت کرنے کو کافی ہے۔

۸۔یہ بالکل غلط ہے کہ آنحضرتؐ کو معجزے نہیں دیئے گئے آپ کو بھی معجزات عطا ہوئے جن کے متعلق آیات قرآنی کا حوالہ آئندہ آئے گا۔

۹۔مصائب اٹھانا خاصان خدا کا شیوہ ہے مگر حضرت عیسیٰؑ کو سولی سے بچانے کا سبب یہ تھا کہ موسوی جماعت میں یہ بات مقرر تھی کہ جو سولی پر چڑھایا جائے گا وہ ملعون ہوگا، حضرت عیسیٰؑ کو سولی سے بچایا گیا تا کہ ان کی روحانی عظمت پر حرف نہ آئے یونہی حضرت رسولؐ کی سچائی کے اظہار کے موقع پر چونکہ قرآن میں ارشاد ہوا تھا کہ **لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین**۔ اس لئے آنحضرتؐ کو خود شہادت ظاہری نہیں عطا ہوئی اور آپ کو قتل سے محفوظ رکھا گیا اور شب ہجرت قتل سے آپ کی حفاظت ہوئی جس طرح عیسیٰؑ کی حفاظت سولی پر چڑھنے سے کی گئی۔

۱۰۔حضرت عیسیٰؑ کی یہ خصوصیت کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہ بچے گا مگر یہ کہ مرنے سے پہلے عیسیٰؑ پر ضرور ایمان لائے گا۔ اس سے بہتر خصوصیت ہمارے رسولؐ کے لئے ہے کہ آخر میں آپ کا دین سب پر غالب آئے گا۔ (**لیظهره علی الدین کله**) اور آپ کے اتباع خلافت فی الارض کے مالک ہوں گے۔

(وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ)

۱۱۔عیسیٰؑ کے متعلق ارشاد ہوا۔ **اٰتَیۡنَا عِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ الۡبَیِّنٰتِ وَاَیَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ**۔ تو ہمارے رسول کے لئے بھی ارشاد ہوا۔ **وَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِکۡرًا**۔ اور آپ کے اتباع کی امداد کثیر التعداد۔ ملائکہ سے ہوئی **(وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا)**۔ **(وَلَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ)**

۱۲۔حضرت عیسیٰؑ آسمان پر گئے اور ہمارے پیغمبرؐ منزل قاب قوسین او ادنیٰ پر تشریف لے گئے۔

۱۳۔عیسیٰؑ ابھی تک زندہ ہیں تو یہ خصوصیت ہمارے رسولؐ کے بارہویں جانشین حضرت مہدی موعودؑ کو عطا ہوئی کہ انہیں اب تک حیات حاصل ہے۔

۱۴۔حضرت عیسیٰؑ کے پیروؤں کو غالب رکھنے کا وعدہ ہوا اور ہمارے پیغمبرؐ کے دین کے غالب رہنے اور آپ کی جماعت کے بلند رہنے اور بلا شرکت غیر سے اللہ کی عبادت اطمینان سے کرتے رہنے کا صاف وعدہ ہوا۔

۱۵۔معجزات تمام انبیاء کو وقتی دیئے گئے۔ اس میں عیسیٰؑ بھی داخل ہیں اور ہمارے پیغمبرؐ کو معجزہ دائمی عطا ہوا۔ یہ خصوصیت کسی نبی کو حاصل نہیں ہے۔

روایتی اور تاریخی واقعات

۱۶۔حضرت عیسیٰؑ باوجودیکہ تبلیغ میں گھومتے پھرتے رہے مگر آپ پر ایمان لانے والے صرف چند نفر ماہی گیر تھے مگر حضرت رسولؐ پر ایمان لانے والے آپ کی زندگی میں ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں تک پہنچے۔

۱۷۔حضرت عیسیٰؑ کو اتنا اقتدار کبھی حاصل ہی نہ ہوا کہ ملک ومال حاصل ہوتا اور حضرت محمد مصطفیٰؐ نے اس اقتدار کے باوجود فقیرانہ شان سے زندگی بسر کی۔

۱۸۔عیسیٰ کو اتنی قوت حاصل نہیں ہوئی کہ وہ تلوار اٹھاتے پھر

بھی انہوں نے اپنے ساتھ والوں کو تلوار رکھنے کی تاکید کی۔ آنحضرتؐ نے باوجود قوت شمشیر زنی اور جنگ کرنے کے پھر بھی رحم وکرم کی وہ مثالیں پیش کیں جو انسانیت کے لئے سبق آموز ہیں۔

۱۹۔حضرت عیسیٰؑ عورتوں سے علیحدہ رہے اور شادی نہیں کی، اس طرح ان کی زندگی خلق خدا کے لئے مثال بننے سے قاصر رہی مگر ہمارے رسولؐ نے تعلقات دنیا قائم رکھنے کے ساتھ پھر بھی روحانی فرائض کو مکمل طور پر انجام دیا اس طرح تعمیر انسانیت کی مثال پیش کی۔

۲۰۔حضرت عیسیٰ کے معجزے جو مفاد عامہ کے تھے وہ خاص خاص افراد سے متعلق ہوتے تھے اور جسمانی بیماریوں سے متعلق تھے اور ہمارے رسولؐ کا معجزہ قرآن جو مفاد عامہ کے لئے ہے وہ تمام خلق کے واسطے ہے اور انسانیت وروحانیت کے کمال کا ذریعہ ہے۔ مذکورہ وجوہ سے اشرف الانبیاء ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیؐ ثابت ہوتے ہیں۔

کتاب

بے شک تخمیناً ۲۵ کروڑ زندہ مسلمان مقر ہیں کہ قرآن کلام اللہ ہے کتاب خود بھی اسے بتا رہی ہے۔مگر کلام اللہ کے یہ معنی سمجھنا بالکل غلط ہے کہ وہ اس کے زبان ودہن سے نکلا ہوا ہے۔ وہ توجسم وجسمانیات سے بری ہے پہلے کہا جاچکا اور پھر سنئے اور سمجھئے کہ کلام اللہ کے معنی ہیں خدا کا اپنے ارادۂ خاص سے خلق کیا ہوا کلام خواہ کسی درخت میں یا فضا میں یا فرشتے کی زبان پر یا رسول کے قلب ودماغ میں۔اسی کا نام کلام اللہ ہے۔ یہ کہنا کہ ’’بنی امیہ نے اپنے دور حکومت میں بانیٔ اسلام کے ارشادات کو قریش کی فصیح تر زبان میں اپنے طریق پر مرتب کیا ہے۔‘‘ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اس میں بس اتنا جزو درست ہے کہ اس کتاب (قرآن) کے اجزاء (سوروں) کی ترتیب بنی امیہ کے پہلے حکمران خلیفہ ثالث عثمان بن عفان نے اپنے زمانہ میں دلوائی ہے۔مگر الفاظ قرآن اور متن آیات میں بنی امیہ کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔وہ قریش کی فصیح ترین زبان میں آیا تو رسولؐ کے دل وزبان ہی پر آیا۔ان ہی الفاظ کا مجموعہ آیاتِ قرآن کی صورت میں محفوظ تھا جسے پہلے خلیفہ اول ابوبکر ابن ابی قحافہ نے سوروں کی شکل میں ترتیب دلایا پھر خلیفہ ثالث عثمان نے اپنے وقت میں سوروں کو مرتب کرکے کتاب کی شکل میں پھیلایا۔

آئین فطرت اور قانون قدرت کے خلاف کوئی بات کلام الٰہی میں نہیں ہوسکتی۔ یہ معقول مگر آئینِ فطرت اور قانون قدرت سے مراد ہمارے محدود مشاہدات اور مختصر تجربات ہرگز نہیں ہوسکتے۔

ہزاروں مثالیں ایسی ہم نے دیکھی اور سنی ہیں جو ہمارے عام مشاہدوں کے خلاف ہیں۔

پھر ہم کسی ایسی بات کو جو صرف ہمارے تجربہ ومشاہدہ کی دنیا سے باہر ہو آئین فطرت اور قانون قدرت کے خلاف کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

خالق خود ہی ہمارے حدود ومشاہدہ سے بالاتر ہے تو اس کی طرف کی روحانی بات چیت کو ہم مادی لباس پہنائیں ہی کیوں جو ہمیں سمجھنے میں دشواری ہو، معاہدہ ہے اور گفتگو جس میں ایک فریق ہے خالق اور دوسرا فریق مادہ سے بے نیاز روحیں تو یہاں کی گفتگو کو کانوں سے سنی جانے والی گفتگو سمجھنا عقل ودانش کا ثبوت نہیں ہے۔وہ صلاحیتوں اور ارواح کے روحانی جوہروں کی زبان تھی جو خالق کی ربوبیت کی اقراری تھی۔ اب مادہ کی کثافتوں میں گرفتار رہ کر کتنے ہیں جو اس معاہدہ واقرار سے دور ہوجاتے ہیں اور اسے فراموش کرتے ہیں یعنی اپنی روحانی صلاحیتوں کو دبا کر خدا سے الگ ہوجاتے اور اس طرح اپنی روح کے معاہدہ کو بھول جاتے ہیں۔

کچھ وہ ہیں جو مادی طاقتوں کو مغلوب رکھتے ہوئے اپنی روحانیت کی زندگی کو برقرار رکھتے اور خالق اور اس کی طرف کے متعلقہ فرائض کا احساس رکھتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جنھوں نے اس معاہدہ کو یاد رکھا ہے اور اسے ہرگز فراموش نہیں کیا ہے۔

اب بتایئے کہ اس میں آئین فطرت اور قانون قدرت کے خلاف کیا بات ہے۔ اسی طرح انسان کی خلافت عیسیٰؑ کی

ولادت، اصحاب کہف کی نیند، یوسفؑ کا حسن، سلیمانؑ کی قدرت، نوحؑ کا طول حیات، خضرؑ کی عمر جاودانی، جانوروں کی بات چیت، موسیٰ سے تکلم۔

ان تمام باتوں میں کوئی بھی ایسی نہیں جس کے خلاف کوئی عقلی دلیل قائم ہو زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ وہ غیر معمولی بات ہے جو عام طور سے نہیں ہوا کرتی۔

مگر ایسی غیر معمولی باتیں دنیا میں مختلف اسباب کی بناء پر ہوتی ہی رہتی ہیں کون کہہ سکتا تھا کہ آدمی ہوا میں اڑیں گے۔ یہ گذشتہ ہزاروں صدیوں میں کسی نے نہیں دیکھا تھا مگر یہ آئین فطرت اور قانون قدرت کے خلاف تھا؟ اگر ایسا تھا تو آج یہ کیسے وجود میں آگیا۔ کس کے مشاہدہ میں آیا تھا کہ ہزاروں میل کی آواز اپنی جگہ پر بیٹھ کر سن لی جائے مگر پھر بھی یہ قانون فطرت اور آئین قدرت کے خلاف نہ تھا نہیں تو آج آنکھوں کے سامنے نہ آتا۔

یہی صورت معجزات انبیاءؑ کی ہوتی ہے وہ عام مشاہدات سے باہر ضرور ہوتے ہیں مگر عقل کے خلاف نہیں ہوتے اس لئے انہیں قانون فطرت یا آئین قدرت کے خلاف نہیں سمجھنا چاہئے۔

مٹی سے بنائے پتلے کو ملائکہ سے سجدہ کرانا اس منصب کی اہمیت دکھلانے کے لئے جس کے واسطے یہ خاکی نژاد انسان مقرر ہوا ہے نہ قانون قدرت کے خلاف ہے نہ آئین فطرت کے منافی۔

کتاب سے مراد وہ الفاظ قرآنی ہیں جو قلمبند ہونے پر بصورت کتاب مرتب ہوتے ہیں اس کے لئے خدا ورسولؐ کے لئے کتابت ثابت ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

امت کے لئے چار نکاح عدالت کی شرط کے ساتھ اور وہ بڑی دشوار۔ پیغمبرؐ کی آزمائش کو سخت رکھا گیا۔ متعدد ازواج کی موجودگی میں نہ کسی کے حقوق میں کوتاہی نہ دوسرے فرائض میں فروگذاشت۔

یہ معمولی انسانوں کا کام نہیں ہوسکتا۔

نافرمانی پر آدمیوں کی شکل میں تبدیلی ہونا۔ مردوں کا قدرت نمائی کے موقع پر زندہ کرنا۔ یہ سب وہ غیر معمولی مظاہرات ہیں جو کسی دلیل عقلی سے غیر ممکن الوقوع نہیں ہیں۔

یہ کس نے کہا کہ قہر الٰہی سے جو بستیاں اجاڑی گئیں ان میں معصوم بچے موجود تھے اور وہ بھی اسی عذاب سے ہلاک ہوئے۔

بلکہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عذاب کے بہت پہلے سے اولاد کا سلسلہ قطع کر دیا جاتا تھا۔

کلام اللہ کے معنی کئی دفعہ دہرائے جاچکے اللہ کا خصوصی پیدا کیا ہوا کلام خواہ جسم میں ہو یا جان میں، یہی وہ ہے جو خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

وہ سب کا رب ہے اور ہر ایک قوم کو نوازتا رہا ہے۔ سب سے آخر عرب کو نوازا کیونکہ ان میں قومی عصبیت سب سے زیادہ تھی۔ کسی اور پر کلام اترتا تو وہ مانتے نہیں ان کی اصلاح کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ کلام ان میں اتارا جائے ان کی زبان میں ہو۔ زبانیں سب اپنی اپنی قوم کی ایجاد ہیں۔ اگر خدا ان سب کو چھوڑ کر کسی نئی زبان میں اتارتا۔ تب تو پھر کوئی بھی نہ سمجھتا۔ اسی لئے عرب میں جو سب سے فصیح زبان تھی حجاز کا لہجہ اور قریش کا محاورہ اس کو منتخب کیا۔ یہ خدا کی نہیں۔ ہماری محتاجی ہے کہ ہماری زبان میں ہو تو ہم سمجھیں۔ اسے دنیا کے موجودہ نظام سے کام نکالنا منظور تھا ضرورت کیا تھی کہ وہ زبان میں توڑ پھوڑ، دماغ انسانی میں تصرف کرے۔

وہ قادر ہر ممکن بات پر ہے۔ مگر ممکن ہر شے جو قدرت کا نتیجہ ہو حکمت کے مطابق تو نہیں ہوتی۔

یہ غلط ہے کہ جو چیز قدرت کی طرف سے ہے وہ بلا امتیاز خاص وعام بلا تفریق ادنیٰ واعلیٰ بلا تخصیص انبیاءؑ واوصیاء، بلا استثنائے شخصے سب کے لئے برابر ہے۔

عقل، قوت طاقت، بلکہ خط وخال، قد وقامت، شکل وشمائل سب قدرت کی طرف سے ہیں مگر برابر نہیں ہیں۔

مناظر قدرت، چاند کی چاندنی، آفتاب کی دھوپ، فضا

میں آواز زبان پر ذائقہ، زہر کا اثر، اشیاء کی تاثیر، تکلیف و راحت کا احساس، تناسل کا قانون، تخلیق کے قاعدے، موت کے اسباب مختلف حالات کے لحاظ سے جداگانہ ہیں۔

خالق کے عطیے حواس خمسہ، قوت ناطقہ، جسم، روح، عناصر سب کے لئے ہیں مگر پھر بھی مختلف طبائع و اشخاص میں مختلف قدرت کے تحفے، ہوا، پانی، گرمی، سردی، برسات دن رات چاند، سورج، تارے، زمین آسمان، سیارے سب کے لئے مگر خواص اور حالات الگ الگ ہیں قدرت کے عظیم الشان کارخانہ میں صلاحیتوں کے لحاظ سے تقسیم اور تفریق قائم ہے۔

بے شک اللہ کی جانب سے مذہب سب کا ایک ہے مگر مستفید ہونے میں اپنے عقل و عمل کی طاقتوں کے اختلاف سے تفرقہ ہے۔

خدا نے کتاب دی سب کو ایک مگر سمجھنے میں دماغ کی قوتوں کی تبدیلی سے امتیاز ہے۔

قدرت کے عطیے قوتوں کے بڑھنے کے ساتھ ترقی کرتے ہیں کوئی ضرورت نہیں کہ ایک ہی کتاب ابتدائے خلقت سے دی جائے۔ وہ دلچسپ و دل نشین ہے مگر اکثر میں سمجھنے کا قصور ہے۔

ہدایت خدا کی طرف سے ہے مگر اس سے اثر لینا ارادہٗ واختیار کے ساتھ وابستہ ہے۔ بے شک، اختیار کی طاقتیں داخل فطرت ہیں مگر خود اختیار ہی میں دونوں پہلوؤں کی گنجائش ہے۔ مذہبی اصول میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوتی۔ نہ وہ قابل ترمیم ہیں۔ یہ شریعت کے آئین ہوتے ہیں جن میں حالات کے لحاظ سے تبدیلی و ترمیم ہوتی ہے۔

خدا خود سب بندوں کی یکساں سمجھ میں کب آیا جو اس کی کتاب سب بندگان الٰہی کی سمجھ میں یکساں آئی اور سب کو یکساں سمجھا تا۔ اصول میں تمام ہادی متفق القول ہیں۔ لیکن احکام ممنوعات، میراثی ترتیب تعزیری قوانین، مالی حقوق میں زمانہ کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے جو حکیمانہ نگاہ کا تقاضا ہے۔

ہدایت انسان کے لئے ہرگز غیر ارادی افعال کی طرح نہیں ہے جو خود بخود سرزد ہوں بلکہ انسان کے حسن کارکردگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جزا و سزا بیکار ہوتی۔ تعریف و مذمت کا استحقاق نہ ہوتا۔

جس متحیر عقل کو قدرت کی لامحدود کائنات، خلقت کے اژدہام، ستاروں کے جھمگھٹے سیاروں کے انبوہ میں محض ایک معمولی ستارہ دنیا، اور دنیا کی بے شمار مخلوق میں سے ایک ضعیف البیان انسان اور پیکر انسانی کے منجملہ تمام اعضا کے آنکھ کی پتلی کے چھوٹے سے تل کی حقیقت اور اس کے رموز و اسرار معلوم نہ ہوں یا جو آنکھ کرۂ ارضی کے تین حصوں کو گھیرے ہوئے پانی کے ایک قطرہ میں ایکسویس طرح خلقت کے نظارہ سے لاکھوں برس محروم رہی اور اب جدید سائنس کے آلات سے احساس کرسکی ہو، یا جس کی نظریں عالم کے نظام اور اجسام کی کشش میں ڈانواڈول رہی ہوں کبھی زمین کو مرکز مانیں اور کبھی سورج کو یا جو عناصر کے اعتدال اور ذرات کے امتزاج کے کیمیاوی طریقہ کو نہ سمجھ سکی ہوں، اس لئے باوجود اجزاء کو سمجھ لینے کے پھر بھی علیحدہ اجزاء کو اس طرح ترکیب دینے پر قادر نہ ہوں یا جس کو غور و فکر میں سینکڑوں سنسان اور خاموش راتیں جاگ کر کاٹنے کی ضرورت پڑی ہو پھر بھی نقطۂ حقیقت دور ہی رہا ہو یا جسے تبادلۂ خیال میں صدہا دماغوں سے مشورہ اور بیسیوں کتابوں سے سبق لینا پڑا ہو۔ پھر بھی آخر میں وہ یہی سمجھا ہو کہ ہمارے مجہولات کی دنیا معلومات سے زیادہ ہے یا جس کی غلطیوں اور خامیوں کا یہ عالم ہو کہ ایک ایک صفحہ لکھنے کے لئے ورق کے ورق سیاہ کر کے پھر چاک کر ڈالے ہوں اس کے متعلق کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ عالم کائنات کے اسرار و رموز کو بالکل سمجھ سکتا ہے یا اپنے محسوسات و مشاہدات کو معیار حقیقت سمجھ سکتا ہے۔

پھر جب کہ ہر انکشاف کا کاشف اور صنعت کا موجد اپنے اپنے وقت میں ایک ہوا ہے پھر دوسروں نے اس کی پیروی کی تو یہ باور کرنے میں کیا حیرت ہے کہ کسی وقت میں یہ محیط عالم قدرت کسی ایک کامل انسان سے رازداری رکھتی ہو بات کرنے

والی نہ سہی، وہ کلام کی خالق ہے اسی لحاظ سے وہ اپنے ارادہ کے مطابق جو بات ہو اسے پہنچاتی اور اپنے منشاء کو پورا کرتی ہے۔

عقل ہرگز مشاہدہ اور دستور کی پابند نہیں ہوتی۔ وہ دلیل کے پیچھے چلتی اور حجت کی تلاش کرتی ہے جب تک کسی شے کے غیر ممکن ہونے پر دلیل نہ قائم ہو وہ اسے امکان کے دائرہ میں برقرار رکھتی ہے۔

عقل اسی معیار پر مضامین مندرجۂ قرآن کو جانچتی ہے اور ہر ایک کی صحت کا اقرار کرتی ہے۔ وہ نہ عیسیٰؑ کی تخلیق کو بعید از حقیقت سمجھتی۔ نہ نوحؑ کے طول حیات کو خلاف فطرت جانتی۔ نہ یوسفؑ کے حسن، موسیٰؑ کے ید بیضا۔ اصحاب کہف کی نیند، خضرؑ کی عمر جاودانی کو لایعنی قصہ کہانی کہتی ہے۔ یہ سب باتیں مادیت میں گھرے ہوئے اوہام کی ہیں جو محسوسات کے شکنجے میں اسیر ہو کر اپنے عقلی جوہر کو کھو بیٹھتے ہیں۔ عقل ان کی باتوں سے فریادی ہے اور سب سے زیادہ اس بات پر چراغ پا ہے کہ یہ اپنے من گھڑت محدود تخیلات کو عقل کے نام سے پیش کرتے اور عقل کو بدنام کرتے ہیں۔ جھوٹے کے آگے سچا رومرے مثل اصل ہے مجبوراً عقل، ''جواب جاہلاں'' پر اکتفا کرتی ہے اور خاموشی اختیار کرتی ہے۔

جس طرح انسانوں میں باہم فرق ہے، مقامی تاثیر، ماحول کے اثر سے، کالا گورا رنگ، اچھی شکل، بری صورت چھوٹے بڑے قد، قوی اور ضعیف اعضاء وغیرہ مختلف اسباب کے ماتحت ہیں۔ یوں ہی انسانی ذہنیت دماغ اور اس کے ادراکات میں فرق ہو جاتا ہے مادیت کی فضا میں رہنے سہنے بسنے اور سانس لینے والے اشخاص زیادہ تر مافوق الطبیعت ادراکات سے قاصر رہتے ہیں، یہ ان کی عقل کا نہیں ماحول کا قصور ہے جو عقل کو کام نہیں کرنے دیتا۔ مگر وہ اس کا احساس نہیں کرتے وہ کہہ دیتے ہیں قدرت نے ہر شخص کے دماغ میں عقل ودیعت فرمائی ہے اس لئے عقل سے سمجھا ہے تو سمجھا دیجئے۔

بے شک سمجھا یا جا سکتا ہے بشرطیکہ سمجھنے کا ارادہ بھی ہو نہیں تو اگر ''میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے'' پر عمل ہوا تو تمام کوششیں بے سود ہیں۔ نہ انبیاءؑ و مرسلینؑ کے نصائح فائدہ مند، نہ قرآن کی ہدایت کارآمد، نہ خداوندی مذہب سمجھانے میں کامیاب ہے یہ سب باتیں اپنے ہاتھوں، سب کوتاہیاں اپنے گنوں سے ہیں۔ ذاتی افعال کا نتیجہ ہیں قدرت کو اس سے کیا سروکار۔ اس کی کتاب سب کے سمجھنے کے لائق اور مذہب سب کے ماننے کے قابل ہے۔

اس کے یہاں مساوات ہے۔ وہ عادل ہے۔ اس کے گھر انصاف ہے۔ وہ سب کے لئے یکساں، اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔

روح

حیوان کی جان کو روح کہتے ہیں مگر وہ ہے کیا؟ اس کی حقیقت لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے اس لئے جاننا چاہئے کہ امر رب ہے۔

انسانی روح اس کے ساتھ بہت سے خصائص ادراک کی حامل ہے اور جسمانی خواص سے الگ ہے اس لئے اس کے ماننے میں کیا عذر ہے کہ وہ وجود جسم سے ماقبل ہے اور مرنے کے بعد بھی ناپید نہیں ہوتی۔ جب کہ اس کے خواص جسم سے الگ ہیں جسم کے ناتوانی کے باوجود وہ توانا اور جسم کی توانائی کے باوجود وہ ناتواں ہوتی ہے۔ جسم کے مرض کی حالت میں وہ صحیح اور جسم کی صحت کی حالت میں وہ اکثر مریض ہوتی ہے۔ پھر اگر جسم کی فنا کے ساتھ وہ باقی رہے تو اس میں عقل کو کیا گنجائش انکار ہے۔ فضا میں اس کی سیر کرنا۔ جسم سے پھر ملحق ہونا۔ وادی السلام یا وادی برہوت میں قیام ہونا، یہ باتیں مذہبی روایات میں وارد ہیں۔ جو کسی اصول کے خلاف نہیں ہیں۔ لیکن دوسرے جسموں میں حلول کرنا، سر آنا، شیطان بننا، ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوا کرنا۔

بھوت پریت، برم راکس، اگیا بیتال، شہید مرد، نٹ بن جانا، درختوں میں عمارتوں میں ٹھکانا بنالینا۔ بازاری باتیں ہیں جن کی مذہب پر ذمہ داری نہیں۔ شریر آدمی اس دنیا میں ہی

شیطان ہیں۔ بعد مُردن اُن کے شیطان بننے کی کوئی اصلیت نہیں دوسرے جسموں میں حلول کرنا آریوں کا آوا گون ہے اس کو مذہب اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

اسباب و سامان خانہ داری سے مستفید ہونے کے معنی صرف اتنے صحیح ہیں کہ اگر کسی غریب کو اس کے ذریعہ سے امداد پہنچائی گئی تو اس کا نیک صلہ قدرت کی طرف سے دینے والے کی نیت کے لحاظ سے میت کی روح کو حاصل ہوسکتا ہے جو اخروی نعمتوں کے لباس میں ہوگا۔

ایسا ہر گز نہیں کہ یہ دنیوی ساز و سامان بجنسہٖ روح کے کام آئے۔ اور اس سے وہ فائدہ اٹھائے۔

قوت جاذبہ و نامیہ کو روح کہنا غلط ہے اس لئے کہ یہ تو پھول پتی گھانس اور درخت میں بھی موجود ہے۔ مگر روح اس میں نہیں مانی جاتی وہ حیوان سے مخصوص ہے۔ اور انسانی روح وہ اس سے خاص ہے۔

ہوا کی ضرورت نباتات کے لئے بھی ویسی ہی ہے جیسے حیوان کے لئے پھر اس کی جان کو روح کیوں نہیں کہتے۔

پرانے زمانے کے ریاضت کرنے والے سادھو برسوں تک سانس روکے رکھنے کی مشق کرتے تھے۔ اس عرصہ میں خارجی ہوا ان کے جسم میں اعضاء کے ذریعہ سے نہیں پہنچتی تھی پھر بھی اس عالم میں روح ان کے جسم میں موجود تھی۔

پھر جب وہ چاہتے ہیں تو برسوں کے بعد سانس لے لیتے ہیں ہوا کی آمد نہیں تھی پھر بھی روح موجود تھی اگر روح نہ رہتی تو ہمیشہ کے لئے مرجاتے پھر سانس کیسے لیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ روح کوئی اور چیز ہے۔

پھیپھڑوں کی کشش، دل کی حرکت سے ہوا کی آمد و رفت کے ذریعہ فضا کے حیات بخش اجزاء کا پہنچنا، اور برے اور مضر اجزاء کا نکال پھینکنا۔ خون کا دوران، عناصر کا اعتدال اور امتزاج اجزاء کی ترکیب اور ترتیب، اندرونی اعضاء کا عمل یہ سب روح کے آثار و لوازم ہیں روح کے نکلنے سے یہ تمام مشینری بے کار اور معطل ہوجاتی ہے روز ہزار پرزے بگڑیں جب تک روح ہے اسی وقت تک زندگی قائم رہتی ہے اور نفس کی آمد و شد برقرار رہتی ہے۔

قدرت نے عالم کا نظام اسباب پر قرار دیا ہے مگر اپنے سے علاقہ قطع نہیں کیا ہے وہ جب چاہتا ہے اسباب کا نظام بدل دیتا ہے۔ اور نتائج میں تبدیلی کر دیتا ہے۔ اس لئے ہر شے جو فنا ہوتی ہے کسی سبب سے فنا ہوئی مگر پھر خدا کی مشیت کے ماتحت۔

بیشک خصوصی حیثیت سے مشیت کا عمل اس وقت نمایاں ہے جب نظام اسباب کی رفتار کو روکنا اور ان کے رویہ کا بدلنا ہو ورنہ جو عام نوعی نظام جاری کر دیا اسی کے مطابق ہوگا اور اس کے ہر ہر جزو میں خصوصی منشاء اور مفاد کے ڈھونڈنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ جبکہ بحیثیت مجموعی وہ پورا نظام ایک خاص حکمت اور مصلحت پر مبنی کیا گیا ہے۔

بڑے فائدے کے لئے چھوٹے نقصانات گوارا کئے جاتے ہیں اور میزان میں اگر وہ نقصان نقصان نہیں رہتے بلکہ فائدہ بن جاتے ہیں۔ یہی حالت نظام کائنات کی ہے۔

خالق کا کام بے شک بنانا ہے اور بگاڑنا بھی اس کا حقیقت میں بنانا ہی ہوتا ہے۔ کوتاہ نظر انسان اسے بگاڑنا سمجھتا ہے پھر بننے بگڑنے میں خود اسی نے اسباب کا عمل دخل رکھا ہے اسی لئے بیماری میں علاج سے عناصر، اعضا، اعصاب کا امتزاج درست کیا جاتا ہے اور یہ قدرت کے خلاف مقابلہ نہیں قرار پاتا، نہ حفظان صحت کے کالجوں میں اس کے مقابلہ کو امدادی افواج کی تیاریاں ہیں بلکہ یہ سب بھی قدرت کے منشاء پر عملدرآمد ہے۔

اس نے ان اسباب کو مقرر کیا ہے اور اس نے ان میں اثر دیا، بے شک وہی کبھی اس اثر کو سلب بھی کر لیتا ہے۔ مگر ہمیں تو عام قانون پر عمل چاہئے اور کامیابی کے لئے پھر قدرت سے لو لگانا چاہئے کہ اسی کی یہ سب فوج ہے اور اسی سے ان افواج کی کامیابی کی ڈھارس ہے۔

عقائد و مراسم

جو باتیں مدت سے چلی آئی ہیں، انہی کے مطابق عمل درآمد

کو رواج کہتے ہیں۔عقیدہ کو رواج پر ہرگز مبنی نہیں ہونا چاہئے بلکہ عقل اور استدلال پر مبنی ہونا چاہئے۔ بے شک مراسم رواج سے متعلق ہوتے ہیں۔ وہ اگر خدا کے لئے فائدہ رساں ہیں اور ان کی کوئی عقلی بنیاد ہے تو انہیں باقی رہنا چاہئے ورنہ ختم ہونا چاہئے۔

مراسم اکثر بڑھ کر موروثی خلل دماغ ہو گئے ہیں یہ یقیناً اصلاح طلب ہیں۔

قدرت نے ہم کو لامحدود عقل اور گویائی دے کر انسان بنادیا۔ دماغ دیا ہے کہ سوچ کر سمجھئے، نطق دیا ہے کہ پوچھ کر سمجھئے، آنکھیں دی ہیں کہ پرانے قصے، گذرے افسانے، قدیم مقولے، موجودہ فضا کو دیکھ بھال کر سمجھئے، سمجھ کی اصلاح یا صحیح اندازے کے لئے عقل عنایت کی ہے۔

بہترین انسان وہی ہے جو قدرت کی دی ہوئی نعمتوں کو اچھی صورت سے صرف میں لائے۔ کسی بات کا بلا دلیل اقرار نہ کرے۔ کسی بات کا بلا دلیل انکار نہ کرے جب کہ یہ صحیح ہے کہ فطرت کے آئین میں قوت، خواہش، قد، نیند، عمر وغیرہ کی کوئی حد مقرر نہیں تو پھر کمی یا زیادتی کے کسی درجہ پر ناک بھوں چڑھانا عقل کے اصول پر صحیح نہیں ہے۔ عام وخاص کے اعتدال اور کم وبیش کے اوسط پر دل کی تسلی ہوجائے تو ہوجائے۔ دماغ کو سکون نہیں ہوسکتا جبکہ انہیں اوسط حدود میں آخری نقطہ معمول سے باہر ہی ہوگا۔ تو پھر اس آخر پر بھی اضافہ کا امکان کیوں نہ ہو۔

قوت! کوئی شخص دو چار چھ من کا وزن اٹھالے، اور رام مورتی صاحب بقول شخصے ترکیب سے ۳۸ من کا پتھر سینہ پر توڑ ڈالیں تو آخر ۳۸ دونا چھیتر من کا وزن اٹھانا غیر ممکن کیسے سمجھا جائے۔ دماغ یہاں خاموش اور عقل دم بخود رہے گی انکار کی جرأت نہ کرے گی۔ واہمہ ہے جو مشاہدہ کے آگے ایک انچ قدم آگے بڑھانے میں تھراتا ہے۔ وہ تو رام مورتی صاحب کا قصہ بھی اگر پہلے پہل سنتا تو انکار پر تل جاتا اس لئے کہ اس کے سامنے وہ انوکھا تھا تو اس سے زیادہ طاقت کے مظاہرہ پر بھی وہ انکار کی جرأت کرتا ہے۔ مگر عقل دور اندیش کہتی ہے کہ جب قوت کی کوئی حد نہیں مقرر تو اس سے زیادہ بھی قوت کا امکان ہے یوں ہی خواہش، قد اور نیند کو سمجھ لو، عمر کے لئے کسی نے کوئی میعاد مقرر نہیں کی۔ کوئی حد قرار نہیں دی۔ اب تم اصول فطرت کے مشاہدے تک مانتے ہو تو جو آخری مشاہدہ قرار دو گے وہ عام نظام فطرت سے الگ ہی ہوگا۔

پھر جب عام نظام سے وہ الگ اور مانا گیا ہے اس لئے کہ مشاہدہ میں آگیا تو اس سے زیادہ مقدار کے مشاہدہ کا اگر کوئی ادّعا رکھتا ہو تو تم کس عقلی اصول کی بناء پر اس کا انکار کرو گے۔ اس کا باور نہ کرنے والا اپنے محدود مشاہدات کے حلقہ کا قیدی واہمہ ہے۔ اس کو عقل سے کوئی تعلق نہیں۔

عقل کو بیکار بدنام کرنا اپنی انسانیت کو دھبا لگانا ہے۔ عقل تو دلیل کی پابند ہے۔ وہ بلا دلیل ہرگز کوئی مفروضہ قائم نہیں کرتی۔ نہ کسی بات کا انکار کرتی ہے۔ نہ وہ واقعات کو مشاہدات کا پابند سمجھتی ہے۔

نظام قدرت میں مداخلت اور آسمان پر دست اندازی اگر اسی کے منشاء سے ہو جو اس نظام کا موجد اور آسمان کا بانی ہے تو ہمارا یا کسی کا اجارہ نہیں ہے۔ اس کی قدرت کو مان کر اس کی کارفرمائی کا انکار بالکل بعید از انسانیت ہے۔

جزا، سزا، قیامت

انسان جو کچھ سوچتا یا کرتا ہے ان میں اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں بری بھی اچھی باتوں کا بدلا جزا، برے کاموں کا بھگتان سزا اور وہ موقع جب سب کو ان کے لئے کئے کی آخری جزا یا سزا ملے اس کا نام قیامت ہے۔

دل میں خواہش، دماغ میں عقل قدرت کی جانب سے ودیعت ہے۔ دماغ دل کا مشیر قانونی ہے۔ دل مچلا عقل نے اچھا برا سمجھا دیا۔ مگر عقل کی آواز اسی کو سنائی دیتی ہے جس کا ضمیر مردہ نہ ہوا ہو۔ عادی مجرم جن کا ضمیر مردہ ہوجاتا ہے۔ عیب کو ہنر سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہ سمجھنا ان کا اپنے عمل کا نتیجہ ہے اس لئے وہ اس الزام سے بچ نہیں سکتے مگر سوال یہ ہے کہ احساس گناہ کا نتیجہ جو

روحانی تکلیف ہوسکتی ہے وہ توان کونہیں ہوتی۔

اگر دل کے دھڑ کنے، ضمیر کے اضطراب، نتیجہ کی دہشت ہی سزائے جرم قرار دی جائے تو نتیجہ یہ ہے کہ ابتدائی مجرم نوسکھیے گناہگار کی سزا سخت اور عادی مجرموں کی سزا اس سے کم اور ایک وقت میں بالکل مفقود ہوجائے۔

بھلا یہ اصول کس انصاف کے قانون پر ٹھیک ہوگا کہ جتنا جرم کا ارتکاب ہوتا جائے سزا ختم ہوتی جائے اور جو گناہ میں بالکل منج جائے اس کے لئے سزا بالکل رخصت ہوجائے۔

زبردست کمزور کا گلا کاٹتا، اس کے مال واسباب جائداد پر قبضہ کرتا اور خوش ہوتا ہے۔ وکیل جھوٹا مقدمہ بنا کر عدالت سے ڈگری حاصل کرتا ہے اور ناز کرتا ہے۔

گواہ جھوٹی گواہی دے کر حقدار کا حق مارتا اور جرح میں نہ ٹوٹنے پر بغلیں بجاتا ہے۔

ڈاکو، چور، اٹھائی گیرے کمزور حکومتوں کے دور میں خوب خوب مزے اڑاتے ہیں اور پھر بھی بال بیکا نہیں ہوتا۔

مہاجن ہزاروں غریبوں کے گھر برباد کر کے اپنی دولت میں اضافہ کرتا ہے اور مونچھوں پر تاؤ دیتا ہے۔ آئین وقانون کی آڑ میں حکام کی طرف سے سیکڑوں مظلوموں کے گلے کٹتے ہیں اور وہ مطمئن ہیں اس لئے قانون خود ان ہی کے ہاتھ کا کھیل ہے۔

بتایئے ان تمام جرائم کی پاداش میں کون سا دل دھڑکا، ضمیر کا اضطراب نتیجہ کی دہشت، صحت کی خرابی، انجام کی دھمکی حشر برپا کر دیتی ہے۔ کون سی عدالت کی زحمتیں اور قانونی سزائیں قیامت ڈھاتی ہیں۔

رہ گئی بدنامی ورسوائی یعنی آدمیوں کا برا کہنا تو اس سے تو اچھے آدمی بچتے ہیں، نہ برے۔ اچھے آدمیوں کو یہ تکلیف بروں سے زیادہ برداشت کرنا پڑتی ہے اور ان کی روح کو ایذا بھی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ان پر عائد کردہ الزامات حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔

تو بتایئے ان کے لئے یہ اچھے کاموں کی جزا ہے یا سزا، بے شک بہت سے جرائم کے برے نتائج خود ان ہی جرائم کے بعد ظاہر ہوجاتے ہیں مگر جزا وسزا کو ان وقتی نتائج میں محدود بناؤ گے تو بہت سے اچھے کام تمہیں موردِ سزا نظر آئیں گے اور بہت سے برے کاموں پر تمہیں جزا کا قائل ہونا پڑے گا اگر انصاف اور عدالت کی دنیا میں اچھے برے میں حد فاصل کا برقرار رہنا ضروری ہے۔ تو ان وقتی اور عارضی نتائج کے آگے تم کو ایک مستقل اور (غیر) مختتم جزا وسزا کا ماننا ضروری ہے۔ وہی قیامت ہے جو اس کے حقیقی معتقد ہیں وہ ہرگز گناہوں کے ارتکاب کی جسارت نہیں رکھتے۔ جو اندیشہ معاد سے آزاد ہیں انہیں جرائم سے باز رکھنے کے لئے صرف قانونی تحفظ کا سامان کر لینا کافی ہے اس لئے وہ جرائم سے متنفر نہیں ہوتے بلکہ صرف اپنے بچاؤ کے خواہاں ہی رہتے ہیں۔

مذہب اسلام

با امن وامان عرصۂ حیات طے کرنے کے لئے مافوق انسانی لامحدود طاقت کو سمجھ کر اور مان کر کچھ اصول کے پابند ہوجانے کا نام مذہب ہے۔ خداوندی پیغام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام اسلام ہے۔ جس نے اس پیغام کو نہ مانا کافر ہوا یہ تفریق ہمیشہ سے قائم ہے خدا کا دین ہمیشہ سے اسلام رہا اصطلاحی طور پر نام بے شک حضرت ابراہیمؑ سے چلا۔ پیغام ایک تھا پیغام لانے والے بدلتے گئے اور اصلاح خلق کے عملی تعلیمات پروگرام کے مطابق تبدیل ہوتے رہے ہر پیغامبر کے پیغام پہنچانے پر جنھوں نے انکار سے کام لیا وہ کافر ٹھہرے جنھوں نے تسلیم کر لیا اور اقرار کیا وہ مسلم قرار پائے۔

اس پیغام کے آخری حامل اور شریعت کے معلم حضرت محمد مصطفیٰؐ تھے اس لئے آخری معیار اسلام اور کفر کا آپ کی رسالت کو تسلیم کرنا اور تسلیم نہ کرنا قرار پایا۔ اب جتنے لوگ آپ کے پہنچائے ہوئے پیغام اور بتلائی ہوئی شریعت کو مانتے ہیں وہ مسلم کہے جانے کے حقدار ہیں۔ اسلام کے اصل اصول کو فطری بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ ہوش وحواس میں رہ کر ہر انسان اپنے خالق کا

مقر ہے اور اگر باپ دادا کے راستے کی محبت، ماحول کا اثر، پرانے رسم ورواج کی لاج مانع نہ ہوتو خالق کے پیغام کے سامنے سر جھکانا بھی فطرت کا تقاضا ہے۔

اسلام کا مذہب اٹل اور ٹھوس حقائق کا مجموعہ ہے جو ہمیشہ سے ایک حالت پر برقرار ہے۔ بے شک شریعت اسلام جو وسیع اور جامع اور جاودانی ہدایات کو لے کر آئی ہے ناسخ ہے تمام گذشتہ شریعتوں کی۔

تاریخ شاہد ہے کہ علمبرداران اسلام نے تبلیغ وحدانیت اور تکذیب شرک سے لاکھوں کافر مسلمان بنادیئے بلکہ یوں کہا جائے کہ اپنے لاجواب تعلیمات سے کروڑوں آدمی انسان بنادیئے۔

اسلام اب بھی وہی ہے اس کی ٹھوس حقیقتیں وہی ہیں اس کے لاجواب تعلیمات وہی ہیں۔ رہ گئی ''مسلمان'' نام اختیار کرنے والی جماعت کی بے راہروی تو یہ آج بھی ہے اور پہلے بھی تھی اور اس کے بعد بھی تھی اور خود پیغمبرؐ اسلام کی زبان سے اسلام کا پیغام پہنچائے جانے کے دور میں بھی تھی اور اس کے بعد بھی رہی بات یہ ہے کہ زبان سے اقرار والے سب دل سے تو مومن نہیں ہوتے۔ نہ سب ان حقیقتوں کی صحیح معرفت رکھتے ہیں۔ جنھیں وہ عقیدے کے طور پر مان رہے ہیں۔ کیونکہ ماننا اور ہے اور جاننا یا سمجھنا اور ہے۔ عقائد، واہمہ، غلو تعصب کی آمیزش ہمیشہ سے رہی۔ روایتی مذہب ہمیشہ بنتے رہے۔ مجموعہ میں ابتری اور شیرازہ میں برہمی کب نہ تھی۔ اسلام کفر میں، سچ جھوٹ میں کب نہ چھپا تھا۔ عقیدت کو از روئے حقیقت دل میں جگہ دینے والے ہمیشہ سے کم تھے۔ آج بھی وہی صورت ہے امتداد زمانہ سے کچھ بدتر صحیح حالانکہ بدتر بھی نہیں کہہ سکتے۔

ہر فرقہ کا دوسرے فرقوں کو کافر بنانا، بے بنیاد باتوں پر لڑنا جھگڑنا، تعلیمات اسلام کے خلاف لباس، وضع، سوسائٹی کی پیروی اور رواج کی پابندی اور اپنے خود ساختہ رسوم قدیمہ اور مسلمات دیرینہ کی پابندی کرنا۔

یہ باتیں بے شک افسوسناک ہیں جو اسلام کی ترقی میں سدراہ ہیں مگر عقل کا کام ہے کہ وہ حقیقت کے جواہرات کی تلاش کرے اگر چہ وہ گرد میں اٹے ہوئے ملیں۔ گرد جھاڑ و تو ہیرا اپنی چمک پوری دکھلائے گا اس کی قیمت میں کمی نہیں ہوگی۔ کتب پارینہ، اقوال دیرینہ اور مسلمات سابقہ بے شک ماننے کے قابل ہیں۔ بشرطیکہ مستند وجوہ سے ان کی صحت ثابت ہو۔

عقل کو نقل سے دبانا اور مسائل عقلیہ کو تاویل سے ٹکرانا درست نہیں بشرطیکہ وہم کو عقل اور محدود مشاہدہ کے نتائج کو مسائل عقلیہ کے نام سے پیش نہ کیا جارہا ہو۔

مشاہدہ جزئیات سے متعلق ہوتا ہے اور اپنی حد میں اس کے ٹکرانے کا کسی کو حق نہیں مگر مشاہدہ کا نتیجہ ہمیشہ سے جزئی ہوتا ہے اور اس پر کلی اصول کی بنیاد قائم نہیں ہوسکتی، اوہام پرستی کبھی حقیقت پروری کا ذریعہ نہیں ہوسکتی مگر آج کل کی روشنی میں اوہام کو مسائل عقلیہ اور عقلی دلائل کو اوہام سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد

عقائد اگر حقیقت کے مطابق ہیں تو ان کی پرورش عین حقیقت کی پرستش ہے۔ پیر اگر رہبر حقیقت ہوں تو ان کی پیروی صحیح طریقت ہے۔ ملا اگر عالم باعمل ہوں تو ان کی تقلید عین ہدایت ہے۔ مرشد اگر واقعی ''مرشد'' یعنی راہ رشاد کے مالک ہیں تو ان کے ارشاد کی تعمیل نجات کی ضامن ہے۔ مگر آب وسراب میں تمیز، یاقوت اور امیٹیشن میں فرق عقل وشعور کی آزمائش اور انسانیت کی کسوٹی ہے۔ خدائے واحد کے علاوہ پرستش کسی کی صحیح نہیں مگر اس کی طرف تعلق سے کسی کی تعظیم، کسی شے کا احترام خواہ کوئی قبر ہو۔ کوئی شبیہ ہو یا کوئی خدا ساختہ یا خود یافتہ چیز حقیقۃً اللہ کی پرستش اور اس کی عبادت ہے نیت سے عمل میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ کعبہ بھی خود ساختہ ہے۔ قرآن کے نقوش بھی کاتب کے خود ساختہ ہیں مگر یہ سب عزت واحترام کے مستحق ہیں اور ان کے سامنے سر جھکانا عین اسلام ہے اس نسبت کی وجہ

سے جوان کو خالق کی طرف حاصل ہے۔

واقعات ومعجزات اگر صحیح ذرائع سے ثابت ہوں تو ان کا ماننا جزوایمان ہے۔ اسلاف کے کارنامے ضرور عزت وافتخار کے ساتھ ظاہر کرنے کے مستحق ہیں، بے شک واقعات میں اصل اور تراشیدہ، کارناموں میں کردہ اور ناکردہ کے جانچ کی ضرورت ہے مگر کچھ غلط اصول یا خود ساختہ توہمات کی بناء پر ہر واقعہ اور معجزہ کو آنکھ بند کر کے تراشیدہ اور ہر غیر معمولی کارنامہ کو ناکردہ کہہ دینا بھی آج کل کے دماغوں کا بڑا کارنامہ ہے جو عقل وہوش کے مخالف ہے۔

اسلام عقلی مذہب ہے تو اس کے اصول کا ماننا بھی ضرور ہے اسی ماننے کا نام عقیدہ ہے پھر مطلق اعتقاد کی بیخ وبن کیوں اکھاڑتے ہو۔ اس کے احکام کو عقل ودانش کے مطابق جانتے ہو تو ناواقف لوگوں کو واقفیت حاصل کرنے کے واقف کار لوگوں سے دریافت کرنا ضروری ہے۔ پھر مطلق تقلید کی مخالفت کیوں کرتے ہو۔

اسلام کی کتاب بے شک رفعت آسمانی اور باعتبار خلقت نسبتہً کلام الٰہی ہے۔ غلط ہے جو کہے کہ آسمان پر خدا کا مقام ہے اور وہ وہاں بیٹھا ہوا رسولوں کو بھیجتا ہے اور کتابوں کو نازل کرتا ہے۔

بے شک ایسا ہی ہے کہ ہم اپنے پیکر میں سر کو تمام اعضا سے برتر پاتے ہیں اس لئے اپنے اشارہ میں خدا کو رفعتہً اور اداباً سر سے اوپر اور اپنے محاورے میں افلاک سے بالاتر بتاتے ہیں حالانکہ قدرت کی حیثیت سے اس کو جہات ستہ میں اوپر نیچے آگے پیچھے دہنے بائیں کسی طرف محدود نہیں بنا سکتے۔

بانیٔ اسلام عام ذرائع تعلیم کے لحاظ سے ان پڑھ تھے مگر علم ومعرفت اور عقل وحکمت کا جوہر ان کا خداداد تھا۔ اپنے دماغ سے جو باتیں انہوں نے دنیا کو بتلائیں اور سنائیں وہ احادیث کہی گئیں ان میں بھی حکمت اور دانشمندی کے خزانے مضمر ہیں مگر خود ان کے دل وزبان پر قدرت سے ایک ایسا کلام جاری ہوتا رہا جس سے خود ان کے اقوال کو کوئی نسبت اور مماثلت نہیں اس کو وہ اپنے رب کا کلام مانتے اور بتلاتے تھے اور اپنے خالق کی طرف سے ایک سفیر یعنی جبرئیل کے ذریعہ آیا ہوا ظاہر کرتے تھے۔ انہوں نے جبرئیل کی تشریح اوصاف کے ذریعہ سے اس طرح سے کی کہ معلوم ہوا وہ خدا کا روحانی مخلوق ایک فرشتہ ہے۔

جبر کے معنی پیغام اور ئیل کے معنی قوت الٰہیہ کہنا آپ کے قول کی بلاوجہ تاویل اور اپنے دل کی ایجاد ہے۔ حضرت کے دعوے سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔

جماعت اسلام نے بھی صرف ان ہی اقوال کو جو ان کے ذاتی کلام سے ممتاز اور بالاتر تھے خدا کی طرف سے اترا ہوا کلام مانا ہے اور اس وحی کا مجموعہ قرآن، عرب کے لہجے میں اوپر سے آیا ہوا فرمان ہے۔

بانیٔ اسلام کی سیرت تھی کہ سوال کا جواب، نیکی کی ہدایت، بدی سے ممانعت یا کسی بات کا حکم اپنے دل سے نہ دیتے تھے، بلکہ اس غیبی طاقت کی ہدایت کے منتظر رہتے تھے دل سے سوچ سمجھ کر جو باتیں کی ہیں وہ حدیثیں ہیں تمہارے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان کا انداز، طریقہ طرز ایک خاص ہے اور جو وحی ربانی کا کلام ہے وہ بھی سامنے ہے اس کا انداز وطریقہ بالکل جدا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیثیں بے سوچے سمجھے فوراً کہہ دی جاتی تھیں۔ ہرگز نہیں، وہ بھی عقل خداداد کی رہنمائی، توفیق ربانی، تائید آسمانی سے متعلق تھیں مگر آن ہمہ دیگر اور کلام قرآنی چیزے دیگر ہے۔ اسی کی تبلیغ پر رسالت کے مدعی ہوئے۔ یعنی جو خداوندی پیغام ان کو ودیعت ہوئے خواہ عقل خداداد سے اور خواہ قول خداساز سے ان کو ہم تک پہنچانے کے رسول ہیں۔

آپ نے اپنی بساط تلقین ہرگز اس نیم تاریخی اور روایتی زمین پر نہیں بچھائی جو یہود ونصاریٰ اور بنی اسرائیل کو خوشگوار تھی بلکہ آپ نے ان کے روایات کی تصحیح کی۔ ان کی ترمیم کی اور ان کو اصل صورت پر پیش کیا دیکھ لو آدم کا جنت میں گندم کھانے کا قصہ، حضرت داؤدؑ کا اور یائے حتی والا واقعہ۔ بائبل میں اور قرآن میں۔

معلوم ہوگا کہ ان کے وہ اجزا جو شانِ رسالت والوہیت کے خلاف ہیں قرآن میں کہیں موجود نہیں ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی اظہارات میں قرآن نے تقلید سے نہیں۔ تحقیق سے کام لیا۔

گذشتہ واقعات میں ''تا نہ باشد چیز کے'' کے مطابق جتنی اصلیت تھی اس کو بیان کیا گیا اور آدمیوں کی بنائی ہوئی ''چیزہا'' کے جو اضافے تھے انہیں حذف کر دیا۔ نیکی کی ہدایت، جزا کی بشارت دی، بدی سے ممانعت کی، سزا سے ڈرایا، قوم میں شریعت قائم کی۔ جہالت کی فضا تھی، عرب میں لکھے پڑھے ہوئے آدمیوں کی کمی تھی، آپ نے کوشش کے ساتھ لکھے پڑھے آدمی فراہم کیے جو کچھ کلام الٰہی کی حیثیت سے آپ کی زبان پر جاری ہوتا۔ اسے فوراً کاتب کو بلا کر خود لکھوا دیتے تھے اور اپنے بھائی، داماد اور شاگرد خاص حضرت علی بن ابی طالبؑ کی حفاظت میں دیدیتے تھے۔ دوسرے لوگ بھی جو کچھ سنتے تھے یاد کرتے تھے اور ہڈی چمڑے لکڑی پتہ، پوست، کاغذ جو پاتے تھے اس پر لکھ لیتے تھے۔

حضرتؐ کی وفات کے بعد ایک طرف تو حضرت علیؑ نے دنیا سے الگ تھلگ ہو کر سب سے پہلے کام یہی کیا کہ ان تمام مکتوبات کو کتاب کی شکل میں مرتب کر لیا دوسری طرف بااقتدار جماعت یعنی خلیفہ اول حضرت ابوبکر اور ان کے گروہ نے بڑی کوشش سے آیتوں کو ترتیب دے کر صحیفوں کی شکل میں جمع کیا۔ اور اصحاب نے بھی اپنے اپنے سلیقہ کے مطابق اپنے اپنے محفوظات کو کتاب کی شکل میں ترتیب دے لیا۔ جیسے ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کے جمع کئے ہوئے مصحفوں میں اگر کچھ فرق تھا تو ترتیب کا تھا اسی لئے جب حضرت علیؑ کے جمع کئے ہوئے قرآن کو لوگوں نے نہ لیا تو آپ نے اس کی اشاعت ضروری نہیں سمجھی، بلکہ آپ ہمیشہ اسی قرآن پر عمل اور اس کی تعظیم پر لوگوں کو مامور کرتے رہے جو مسلمانوں میں رائج ہو گیا تھا۔

آپ نے معمولی احکام شرعیہ کے لئے جن کے متعلق حکومت کا طرزِ عمل خلاف آئین حقیقت تھا۔ علانیہ مخالفت کے طور پر (جو آپ کے نزدیک مفاد اسلامی کے خلاف تھی) نہ سہی مگر اظہار حقیقت کے طور پر اظہار واقعہ سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ پھر غیر ممکن تھا کہ قرآن میں کسی قسم کی قطع و برید ہوتی، کوئی الحاق واضافہ کیا جاتا اور اس پر آپ احتجاج سے خاموش رہتے اور اس کا صاف اعلان نہ کر دیتے حضرت عثمان کی جدوجہد اپنے دور میں صرف یہ رہی کہ مسلمانوں کو ایک ترتیب کا پابند بنادیں اور وہ تمام مصاحف جن کی ترتیبیں مختلف تھیں جو عبداللہ بن مسعود وابی بن کعب وغیرہ کے پاس تھے انہیں تلف کرا دیں اس لئے کہ وہ لوگ اپنی ہی ترتیب کے مطابق اپنے شاگردوں کو تعلیم بھی دیتے تھے اور اسی کی اشاعت کرتے تھے۔ حضرت علیؑ نے اپنے ترتیب دادہ مصحف کی اس کے پہلے ہی اشاعت نہ کی تھی اس لئے اب اس دور میں آپ کے اس مصحف کے خلاف کوئی کوشش وکاوش بھی نہ ہوئی۔ موجودہ ترتیب بے شک ترتیب عثمانی ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اکثر جگہ بے ربط ہے۔ آیتیں سورے اپنی جگہ پر نہیں۔ مکی مدنی آگے پیچھے پہلے بڑے سورے رکھے۔ پھر چھوٹے سوروں پر اختتام کیا ہے۔ مگر کوئی شبہہ نہیں کہ ہر آیت اپنی جگہ وہی کلام ہے جو پیغمبر اسلام نے بحیثیت کلام اللہ پیش کیا۔ اس میں ہمارے خیال میں کمی نہیں ہوئی اور زیادتی تو قطعاً نہیں ہوئی۔

ترتیب میں بنی امیہ کا سلیقہ ہو تو ہو، مگر بہترین احکام وہدایات کے ساتھ قدیم حکایات کے ہونے میں بنی امیہ کا قصور سمجھنا غلطی ہے۔ حکایات بھی اس کی طرف کے ہیں جس کی جانب کے احکام وہدایات ہیں نہ مکرر سہ کرر فقرے تاکید ویاددہانی کے طور پر مختلف وقت پر آئے ہوئے مضامین میں تکرار۔ نصیحت اور عبرت کے استحکام کے لئے ایک بات دو چار بار بلکہ دس بار اس لئے کہ زود فراموش افراد کو یاد رہے۔ بیان میں انتشار موقع اور محل کے اختلاف سے۔ نصیحت کہیں، پرصراحتہً اور کہیں ضمناً، یہ شاذ نہیں بلکہ ہر مقام پر یہاں تک کہ قصص

وحکایات میں نصیحت ہی اصل مقصد و مفاد۔ ہدایت جا بجا نہیں بلکہ ہر جا۔ قسمیں حسن بیان اور کلام کی سجاوٹ اور شان کے لئے خود ستائیاں دنیا کو اپنی معرفت حاصل کرانے کے لئے جس میں دنیا کی بہبود اور ترقی کا راز پنہاں۔ دوزخ سے دھمکیاں شریر طبیعتوں کی اصلاح کے لئے بہشت کی بشارتیں نیک اعمال والوں کی ہمت افزائی کے لئے پچھلے قصے پرانی حکاتیں، سبق دینے اور عبرت حاصل کرانے کے لئے۔ انسان کی خلافت انسان کے مقصد خلقت بتانے کو، آدمؑ کی حکایت۔ انسان کی قدروشان اور اس کی عملی کمزوری کا امکان جتانے کو۔ جانوروں کی باتیں خالق کی ہمہ گیر قدرت کے اظہار کے لئے، موسیٰؑ کا تکلم، انبیائے سابق کی معرفت حاصل کرانے کے لئے، شیطان کی کہانی۔ بنی آدم کی تنبیہ وتوجہ دہانی کے لئے ہابیل قابیل کا قصہ رشک وعداوت کا انجام بتانے کے لئے، بلقیس کا تخت سلیماؑن کی سلطنت، مال و متاع دنیا کی بے اعتباری دکھانے کے لئے، طوفان کی واردات دنیا کی موجودہ سرکش آبادی کو خوف دلانے کے لئے۔ یوسفؑ کا قصہ اسباب معیشت کی فراوانی کے موقع پر نبی خدا کی پاکدامنی کے اظہار کے لئے، ہاروت ماروت کی سرگذشت جادو اور ظلم کی حقیقت کھولنے کے لئے۔ زکریاؑ کا ذکر، انبیاءؑ کا تذکرہ صالحین کی یاد تازہ کرکے ان کے اسوۂ حسنہ کی طرف دنیا کو دعوت دینے کے لئے عزیر کی دوبارہ حیات، حیات بعدالموت کے تصدیق واقرار کے لئے غرض کوئی جز و بیکار نہیں کوئی بات فضول نہیں ہر ایک خدائے حکیم کی جانب سے حکمت اور مصلحت کی بناء پر بندوں کی ہدایت واصلاح کے لئے مذکور ہوئی ہے۔

بنی امیہ لاکھ برے سہی مگر ان کی اتنی مجال نہ تھی کہ یہ سب کچھ قرآن میں بڑھا دیتے اور مسلمان ٹھنڈے دل سے گوارا کرلیتے بلکہ اس پر یونہی پردہ پڑا رہتا اور کوئی اس پردہ کو نہ اٹھاتا۔ نہ اس کا انکشاف کرتا۔ یہ بات بالکل غیر ممکن ہے۔

بنو امیہ کو بڑھانا ہی تھا۔ تو اپنی تعریف اور منقبت کے سورے بڑھا دیتے اپنی سلطنت کی حقیقت کے لئے آیتیں تصنیف کرتے۔ انہیں کیا ضرورت تھی کہ یہودیوں کے تالیف قلب کو موسیٰؑ کو ید بیضا۔

لاٹھی، عصا، بچھڑے کا قصہ، طور کا واقعہ، لاش فرعون کی بقاء، نصاریٰ کے استفسار پر پچھلی کتابوں کے معلومات کا اظہار، ذوالقرنین کی گام فرسائی وغیرہ وغیرہ کی تصنیف کے لئے سرمغزی کرتے۔ اور ان تمام باتوں کا اضافہ قرآن میں کردیتے۔ جو ایسا گمان کرے عقل کے ساتھ کھیل کھیلتا ہے اور کلام الٰہی کی تکذیب کو اس پردہ میں چھپاتا ہے کہ آئی گئی بنی امیہ کے سر ڈالتا ہے مگر دنیا ایسی سادہ لوح نہیں ہے کہ وہ ان چکموں میں آئے اور ایسی بےوقوف بنے۔

کون نہیں جانتا کہ بنی امیہ نے احکام شرع میں جو تبدیلیاں کیں اور مذہب کے ساتھ جو بغاوت کی اس کے خلاف آل رسولؐ اور سچے مسلمان احتجاج کرتے رہے اور نہ صرف احتجاج بلکہ قربانیاں پیش کرتے رہے۔ کربلا کی خونی تاریخ اسی بنیاد پر ہے کیا ممکن تھا کہ قرآن میں اس تصنیف وایجاد پر آل رسولؐ اور تمام سچے مسلمان خاموش رہتے اور آج سے پہلے اس کا کبھی اظہار نہ کیا جاتا۔

یہ بھی دیکھئے کہ بنی امیہ کے بعد سلطنت بنی عباس کی قائم ہوئی جو بنی امیہ کے حریف تھے۔ اس لئے لوگوں کو اس دور میں بنی امیہ کے نقائص ومعائب بیان کرنے کا خوب موقع ملا۔ مگر اس وقت بھی قرآن جوں کا توں قائم رہا اور کسی نے بنی امیہ کے خلاف یہ الزام نہیں عائد کیا کہ انہوں نے یہود اور نصاریٰ کی خاطر اس میں غلط افسانے شامل کئے ہیں اور جھوٹے حکایات درج کئے ہیں۔

حکومت کا دباؤ ہرگز مسلمانوں کے زبان اور دل پر ایسا سخت پہرہ نہیں بٹھا سکتا تھا کہ اتنا اہم معاملہ دبا رہتا اور ایک صدا بھی اس کے خلاف بلند نہ ہوتی۔ نہ پہلے نہ بعد اس وقت جب کہ حکومت کا دباؤ اٹھ چکا تھا اور دوسری حکومت قائم ہوچکی تھی۔

نہ یہود اور نصاریٰ کا رسوخ امور سلطنت میں اس درجہ تھا کہ وہ اپنی طبیعت کے موافق قرآن میں تبدیلیاں کر سکتے۔

شروع والی خلافت کے دور میں تو کچھ نومسلم یہود ایسے تھے بھی جن کے روایات احادیث و اخبار کے ذیل میں مسلمانوں میں رواج پا گئے مگر اس کے بعد پھر کوئی ایسی جماعت یہود و نصاریٰ میں سے کبھی برسر اقتدار نہیں رہی۔ عثمان کا قتل جن الزاموں پر تھا وہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ انہوں نے یہود اور نصاریٰ کی جماعت کی خاطر قرآن کی آیتیں یا سورے تصنیف کر کے الحاق کیے۔

ان کے قتل ہو جانے کے واقعہ ہی سے ظاہر ہے کہ مسلمان اتنے مردہ دل نہیں تھے کہ وہ آسانی سے ان باتوں کو گوارا کر لیتے جو ان کے نزدیک بالکل غلط ہیں جب معمولی الزامات پر عثمان قتل کر دیئے جاتے ہیں تو قرآن میں اضافے ہوتے اسے مسلمان کیسے گوارا کر سکتے۔

ایں خیال است و محال است

غیر مذہب والا اگر عقل وانصاف سے کام لے گا تو وہ ایسے اعتراض نہیں کر سکتا جن کی کوئی بنیاد نہ ہو۔

آسمان حسّی طریقہ پر سروں کے اوپر چھت کی صورت نظر آتا ہے، حقیقت اس کی جو کچھ ہو۔ بہر حال وہ کچھ اجسام و اجرام کا مجموعہ ہو، ایتھر کا طبقہ ہو، حدنگاہ ہو، کچھ ہو۔ قرآن نے کب کہا کہ وہ لوہے سونے چاندی یا پیتل کا کوئی ٹھوس جسم ہے یہ تو جسم کا فتور ہے کہ لوگوں نے اپنے دل سے ایسا ہی سمجھ لیا تھا وہ سمجھا کریں۔ مگر قرآن پر اس کی ذمہ داری کیا ہے؟ چھت پر خدا کا مقام ہرگز نہیں بتایا۔ کتاب کے بلند مضامین اگر کسی بلند طبقہ سے اسے متعلق بتائیں تو نہ ماننا اپنے ضمیر سے مقابلہ کرنا ہے۔

قرآنی حکایتوں میں بہت سی باتوں کی صحت واقعات سے ثابت ہو چکی، بہت سی باتوں کے لئے مستقبل کا انتظار کرو، محدود معلومات کے ساتھ کامل دانائی کا دعویٰ عقل انسانی کے شایان شان نہیں ہے۔

ترتیب میں بے شک زید بن ثابت کی صلاح ہے مگر قریش کی فصیح ترین زبان قدرت کا انتخاب ہے۔ مکہ کے زباں دانوں، مدینہ کے زباں آشناؤں اور قریش کے فصیح اللسانوں کا سرِ عاجزی جھکانا ہند کے عربی میں دخل نہ رکھنے والے بے تمیزوں کے لئے بھی سند ہے۔

ترتیب کی بے ربطی سے آیتوں کے مضامین کو مجذوب کی بڑ کہنے والا مشرکین عرب کا ہم زباں ہے جو رسولؐ کو مجنون اور دیوانہ کہتے تھے۔

سورۂ والنجم بھی سامنے ہے۔ آیات میں وہی شکوہ و دبدبہ اور شان ہے جو فصاحت و بلاغت کی جان ہے۔ پریشان خیالی سے دیکھنے پر بیان منتشر عبارت طول طویل، مکرر سہ مکرر فقرے اور الفاظ کی تکرار نظر آئے اور بے ربط طبیعت کو حکایتیں بے ربط معلوم ہوں تو اس میں قرآن کا کوئی قصور نہیں، اس میں ہدایات بھی ہیں اور نصائح بھی۔ خدا کے جاہ و جلال کا نقشہ ہے جو مقصد رسالت ہے اسے چاہے خود ستائیاں کہو اور چاہے جو کچھ مگر خود ستائی ناقص انسانوں کی زبان سے قابلِ مذمت اور کامل ہستی کی طرف سے انسان کے فہم و عرفان کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

دہلانا۔ بہلانا یعنی عذاب وثواب بہشت ودوزخ کا تذکرہ چاہے طبیعتوں پر بار ہو لیکن منکروں کو بھی اقرار ہے کہ اصلاح خلق کے لئے یہ طریقہ بہتر ہے عیسیٰؑ کی تعریف اور موسیٰؑ کی شریعت کا تذکرہ حق کا اظہار ہے رہ گیا مفسرین کی مختلف عقل آرائیوں کا حاشیہ وہ نہ قرآن کے اندر ہے، نہ قرآن اس کا ذمہ دار ہے۔

سورۂ کہف میں بھی کوئی بات ایسی نہیں جو عقل کے خلاف ہو۔ دیوار چین مشہور ہے۔ تتار کے غیر معمولی انسانوں کی آبادی بھی ہر ایک کو معلوم ہے۔ آفتاب حسی صورت سے سمندر میں اندر ڈوبتا اور اس سے نکلتا ہے۔ سمندر کے اندر ہی دوسری سمت امریکہ کے جزائر کا اب انکشاف ہوا۔ اس لئے پانی میں زمین کی شرکت کا عین حمۂ کی لفظ سے اظہار کیا گیا۔ آج تک حفریات

میں ہزاروں چیزیں برآمد ہوتی ہیں۔ جن کا پہلے پتہ نہ تھا۔ سینکڑوں پہاڑ، ہزاروں غاراب تک ایسے ہیں جن تک تحقیق کا ہاتھ نہیں پہنچا۔ پھر اصحاب کہف کی نسبت کس لئے انکار ہے؟

حضرت خضرؑ کے ہاتھ سے بچہ کا قتل ایک سابق شریعت کی بات ہے جس کی بنیاد باطنی اسرار پر ہے۔ اس سے ہرگز بچہ کی خلقت کا عبث ہونا ضروری نہیں ٹھہرتا تمہیں کیا معلوم کہ اتنی ہی عمر میں اس کی خلقت کا منشا پورا نہیں ہوگیا جب مقصد کی تکمیل ہوگئی تو دنیا سے اٹھا لینے کے ذریعہ بنایا گیا۔ یہ پشیمانی نہیں ہے بلکہ حالات کے لحاظ سے نتائج کی تبدیلی ہے موت کا فرشتہ مارتا تو بھی خدا کے حکم سے ہوتا خضرؑ باطنی شریعت کے ہوتے ہوئے منشائے قدرت کے راز دار اور ملک الموت کے قائم مقام بنائے جائیں تو ہمیں اعتراض کا کیا حق ہے؟ بے شک ہماری شریعت کی بنیاد ظاہری اسباب پر ہے اس لئے ہماری شریعت میں اس عمل کی مثال نہیں لائی جاسکتی۔

آسمان حدِ نگاہ ہو یا کچھ، پھر بھی بلندی کی سمت ایک کائنات کا عالم آباد ہے اسی کو قرآنی زبان میں افلاک وسماوات کہا جارہا ہے۔

ثوابت کی گردش ثابت ہو مگر سیّارات کے لحاظ سے وہ اتنی سست ہے کہ حسیّ طور پر مفقود ہے اسی لئے بطور تقابل سیارات کے ساتھ ثوابت کا ثبوت صحیح ہے۔

یہ تمام اعتراضات اپنی جہالت اور کوتاہی معلومات کی نشانی ہیں۔

اپنے ناقص معلومات نہیں بلکہ سچے علم ومعرفت کی قسم کہ اس کتاب کے تمام آیات بجنسہ تنزیل آسمانی ہیں۔

(وانه لتنزیل من رب العالمین نزل به الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین)۔

بلسان عربی مبین۔

لایاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه تنزیل من حکیم حمید۔

❁❁❁

رباعیاں

دعبلِ ہند مولانا سید فرزند حسین ذاخرؔ اجتہادی

ساقئ شرابِ حوض کوثر حیدرؑ
حامی حیدرؑ، شفیع محشر حیدرؑ
پوچھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا
میں قبر میں چلاؤں کہ حیدرؑ حیدرؑ

✵

ہے کس کو شرف مادرِ حیدرؑ کی طرح
تا کعبہ جب آئیں دلِ مضطر کی طرح
اعجاز نما زورِ علیؑ یہ بھی تھا
دیوار کو توڑا درِ خیبر کی طرح